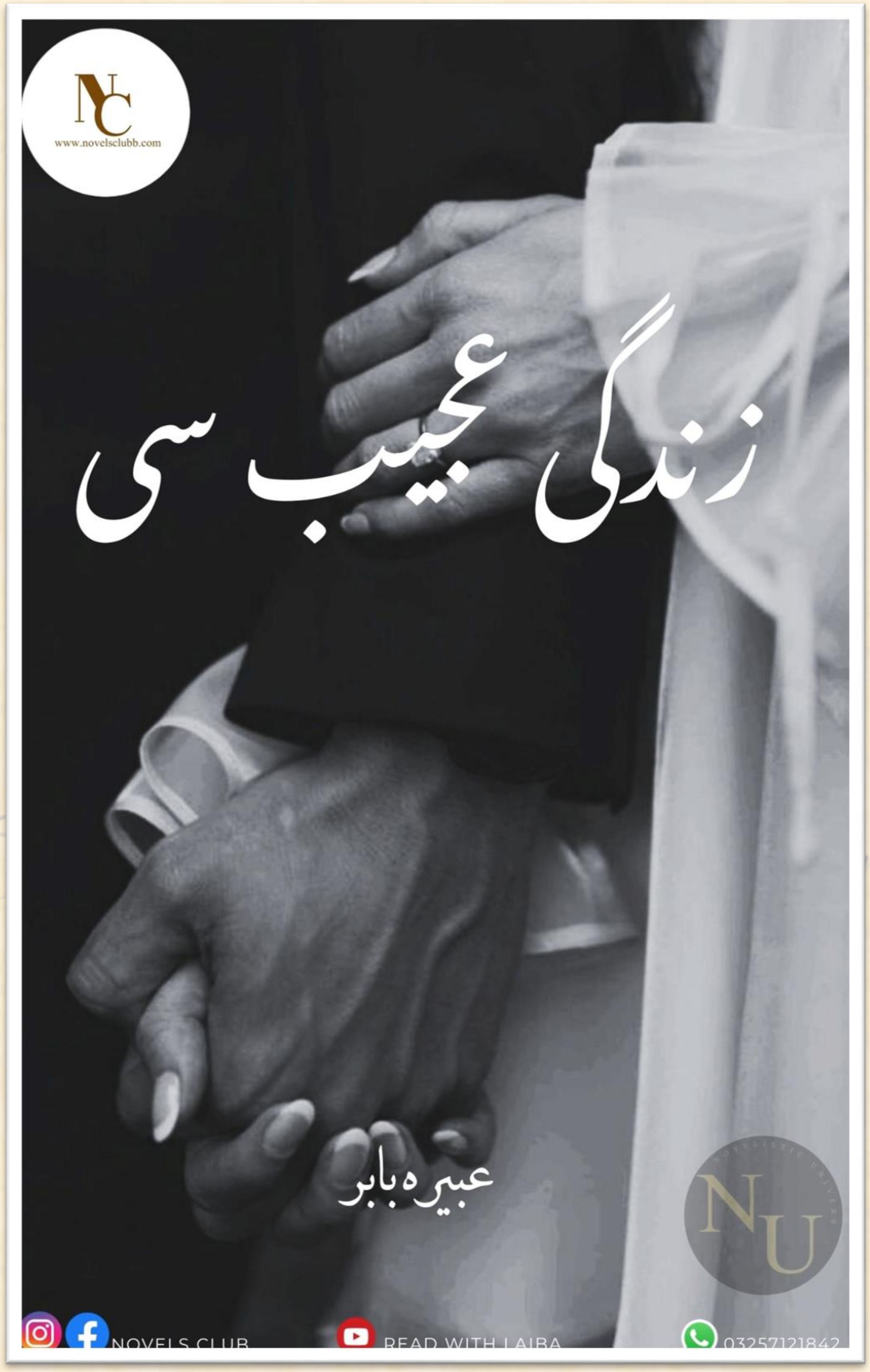
زندگی عجیب سی
عبیرہ بابر
www.novelsclubb.com
NOVELS CLUB
READ WITH LAIBA
03257121842

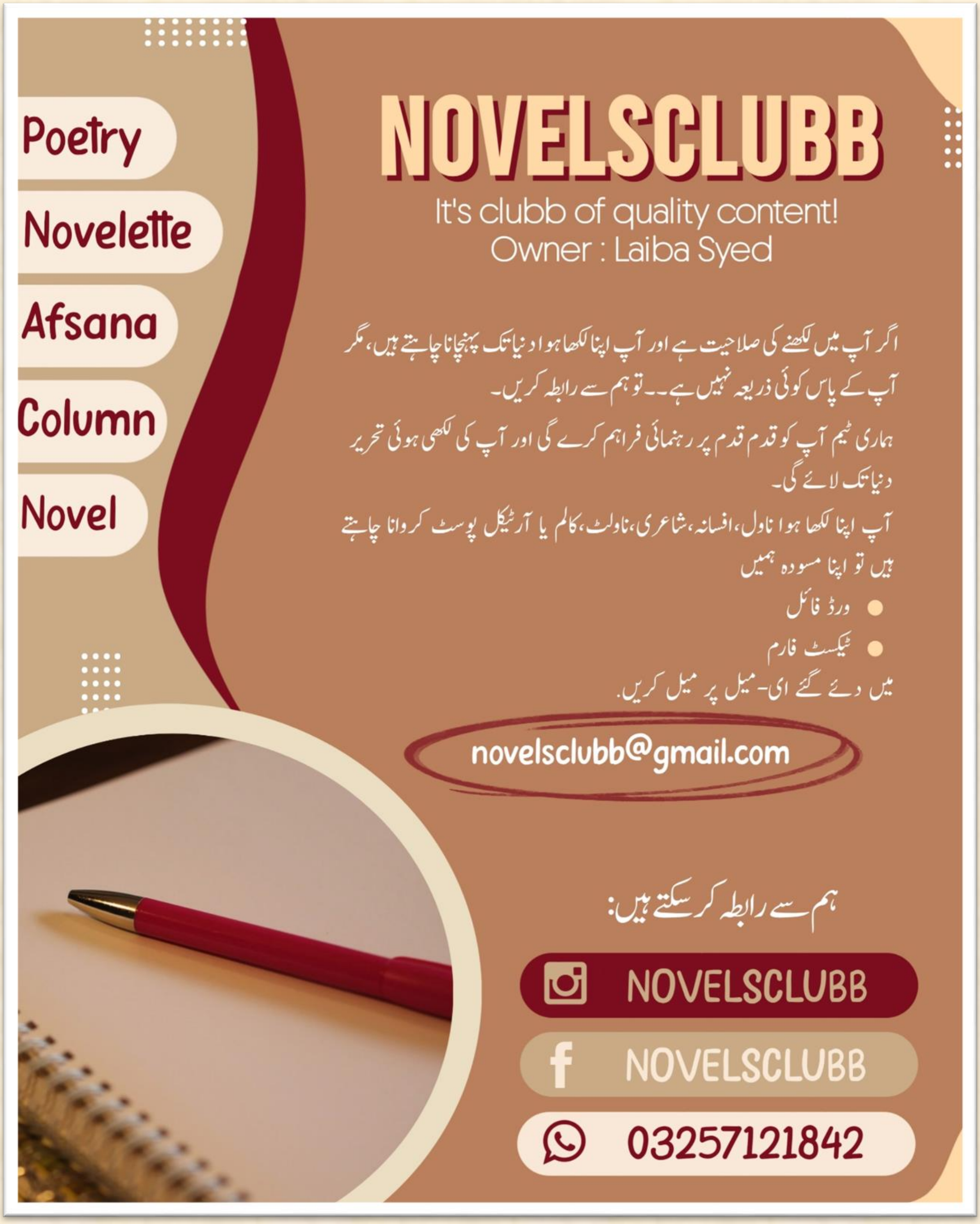
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

زندگی عجیب سی ہے

از قلم

عبیر بابر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "زندگی عجیب سی ہے" کے تمام جملہ حق لکھاری "عبیرہ بابر" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

باب 1

وہ کانوں میں ہیڈ فونز لگائے بیٹھی تھی، اور موسیقی کی دھن میں گھری ہوئی تھی۔ یہ موسیقی اب اس کی سانسوں کا سہارا بن چکی تھی، شاید یہ دنیا اس کو اس کے رب سے دور لے آئی تھی، کیونکہ اس کا کوئی دن اس موسیقی کی دھن کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ "مہرو!" کسی خاتون کی پکار کمرے میں گونج اٹھی، مگر یہ آواز مہرالنساء کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ "مہرو!" آواز دوبارہ گونجی، مگر پھر بھی وہ اپنی دنیا سے کٹ چکی تھی، ایک اور ہی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ "مہرالنساء! تمہیں سنائی نہیں دیتا؟ اتنی دیر سے بلا رہی ہوں! یہ ہیڈ فونز توڑ ڈالوں گی اگر اب بھی تمہارے کانوں میں ملے!" غصے سے بھری آواز مہرالنساء کے کانوں تک پہنچی۔ مہرالنساء نے الجھن بھری نظر سے اپنی امی کو دیکھا اور دل ہی دل میں شکایت کی، "اف، امی سکون سے بیٹھنے بھی نہیں دیتیں!" "چوبیس گھنٹے یہ لگا کے بیٹھی رہتی ہو!" نسرین کے تیکھے لہجے نے مہرالنساء کو ایک نظر ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا اور منہ بناتے ہوئے کہا، "امی، اگر کوئی کام تھا تو کہہ دیتیں۔" مہرالنساء کے اس بے پرواہ جملے نے نسرین کو گہری چوٹ پہنچائیں۔ "کچھ نہیں،" نسرین نے ٹھنڈک بھرے لہجے میں جواب دیا اور کمرے سے باہر

چلی گئیں، ان کے قدم اب مہرالنساء کے بھائی کامران کے کمرے کی طرف بڑھ چکے تھے۔ نسرین کے جانے کے بعد، مہرالنساء نے اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ واپس بند کیا اور ہیڈ فونز لگا کے ایک بار پھر موسیقی کی دھن میں ڈوب گئی

****

کمرے میں دروازے سے ٹیک لگائے، اس کے ہاتھ گھٹنوں پر سر رکھے اس کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ وہ رو رہا تھا، سسک رہا تھا، اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ کوئی اس کے ساتھ ہو، کوئی اس کی بات سنے۔ وہ رو رہا تھا کہ اچانک قدموں کی آواز سن کر رک گیا۔ فوراً دروازے سے ہٹ گیا، کیونکہ وہ آدمی تھا اور مرد رو نہیں سکتے تھے۔ اسے اپنے بھائی کے لیے مضبوط ہونا تھا، مگر وہ بھول گیا تھا کہ کبھی کبھی مضبوط لوگ بھی کمزور محسوس کرتے ہیں۔ اس نے اپنی آستین کو آنکھوں تک لا کر آنسو پونچھے اور بہانہ کیا کہ وہ نہیں رو رہا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گیا، اپنا فون پکڑا اور پانی گلاس میں ڈالا۔ ابھی وہ پینے والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ "کون؟" اس نے پرسکون آواز میں پکارا۔ "بھائی کیا آپ اندر ہیں؟" ایک بچے کی دھیمی آنسو بھری آواز آئی۔ شمیر فوراً دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولا، اس کے سامنے پانچ سالہ بھائی احمد کھڑا تھا، جس کی آنکھوں میں نمی

تھی۔ شہمیر نے جلدی سے احمد کو بانہوں میں اٹھایا، "بھائی کی جان، میرے بچے کو کیا ہوا؟" احمد کچھ نہ بولا، بس شہمیر کے گرد بازو لپیٹ کر اپنا سر کندھے پر رکھ دیا۔ شہمیر نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دی اور سینے سے لگایا، پھر لیونگ روم کی طرف چل دیا۔ چند منٹوں بعد احمد نے خود کو الگ کیا اور کہا، "بھائی، مجھے ماما اور پاپا یاد آرہے ہیں۔" پھر وہ واپس شہمیر کے سینے پر سر رکھ کر اس کی قمیض کے بٹنوں سے کھیلنے لگا۔ شہمیر خاموش رہا، کچھ کہنے سے قاصر تھا، کیونکہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے رو نہیں سکتا تھا۔ احمد نے دیکھا کہ شہمیر اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے، اس نے سر اٹھا کر بھائی کی طرف دیکھا۔ شہمیر نے پیار سے کہا، "بچہ، ماما اور پاپا اب بہت خوبصورت جگہ پر ہیں، اور میں آپ کے لیے ہوں۔" شہمیر کے الفاظ اور اس کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت نے احمد کو سکون دیا۔ احمد نے مسکرا کر بھائی کی طرف دیکھا، یہ جانتے ہوئے کہ شہمیر ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ پھر احمد نے شہمیر کا ہاتھ چھوڑا اور اپنے بھائی کے گرد بازو لپیٹ لیے، وہ دونوں جانتے تھے کہ اب بس وہ دونوں ہی رہ گئے تھے۔

****

اسلام آباد کے آسمان پر رات کی تاریکی پھیل چکی تھی اور اس وقت دس بج رہے تھے۔ سب کھانے کی میز کے گرد جمع تھے۔ ایک کے سوا تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہاں کوئی نہیں

بیٹھا تھا۔ "نسرین، کامران کہاں ہے؟" ایک پرسکون مردانہ آواز نسرین کے کانوں تک پہنچی۔ "میں نہیں جانتی، کہیں ہوگا وہ آپ کا بچہ ہے آخر" نسرین نے مسکراتے ہوئے اپنے شوہر نواز شاہ کو جواب دیا۔ نواز شاہ بھی جواباً مسکرا دیے۔ "وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر کہہ نہ سکے"۔ وہ اپنی بیوی سے کیسے بحث کر سکتے تھے؟ وہ وہی تھی جو پچھلے پچیس سال سے ان کے ساتھ تھی، جو ہر قدم پر ان کے ساتھ کھڑی تھی اور آج اس کی وجہ سے وہ دنیا کی سب سے بڑی کمپنی کا مالک تھا۔ اس کے لیے اس کی محبت بے پناہ تھی، وہ پوری کمپنی یا یہاں تک کہ پوری دنیا اس کے نام کر دیتا۔ اس کی بیوی کا کمپنی میں سب سے بڑا حصہ تھا کیونکہ وہ واقعی اس کی مستحق تھی، اس کے پاس موجود تقریباً ہر چیز کو قربان کر کے اس نے اس کا نام بنانے میں مدد کی تھی۔ اس نے میز پر بیٹھی اپنی چھوٹی بیٹی کی طرف توجہ کی۔ "ماہی" نواز شاہ نے ماہنور کو بڑے پیار سے بلایا۔ سات سالہ بچی نے معصوم نظروں سے باپ کی طرف دیکھا اور مسکرا دی-وہ سمجھ گئی تھیں کہ اُس کا باپ کیا پوچھنے والا ہے، وہ اپنے بھائی کی سیکریٹ کیپر تھی۔ اپنی میٹھی آواز میں اس نے جواب دیا، "بابا، مجھے نہیں معلوم بھائی کہاں ہے، آپ اسے فون کرلو۔" ماہنور کا فوری جواب نواز شاہ کو سمجھنے کے لیے کافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی معصوم سی بیٹی، جس کا قد صرف چار فٹ تھا، اپنے بھائی کا ٹھکانہ نہیں بتائے گی، چاہے جان تی کیوں نہ ہوں۔ نواز نے ایک نظر نسرین کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

پچھلے پچیس سالوں میں نسرین نے نواز کی آنکھیں پڑھنا سیکھ لی تھیں۔اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی نواز نے اسے سمجھنا سیکھ لیا تھا۔نسرین نے فون اٹھایا، جو اس کے قریب ٹیبل پر پڑا تھا، ایپ کھولی، اور اسکرول کرتی رہی یہاں تک کہ وہ کامران کے نمبر پر پہنچ گئی۔ڈائل کرنے کے بعد، کال کنیکٹ ہونے سے پہلے چند بار فون کی گھنٹی بجی۔"سلام، امی" دوسری طرف سے کامران کی گہری آواز گونجی۔کامران، یہاں تک کہ پندرہ سال کی عمر میں، دراز قد تھا۔"وعلیکم السلام بیٹا" نسرین نے سکون سے جواب دیا۔ان کے گھر کا یہ دستور تھا کہ بچوں سے کوئی سخت لہجے میں بات نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کبھی ان پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔"بیٹا اب گھر آؤ بابا انتظار کر رہے ہیں" نسرین نے شائستگی سے کہا جس پر کامران نے "اوکے" کہہ کر کال ختم کر دی۔ تھوڑی دیر بعد کامران نواز کے سامنے تھا۔مہرونیسا جو سب کچھ دیکھ رہی تھی، اچانک اس کی بھوک ختم ہو گئی۔اس کی بھوک مٹ چکی تھی۔وہ وہا ہو کر بھی وہا نہیں تھی.اسکی خواہش تھی کے اسکو کوین خاص محسوس کروائیں, کوین اسکو اپنایت دیں

****

کمرہ مکمل طور پر تاریک تھا۔رات کے گیارہ بج رہے تھے۔اندھیرے کمرے میں، مہرالنسا اپنے بستر پر لیٹی چھت کو خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔"کسی کو میری سالگرہ یاد نہیں

ہے،" وہ اپنے آپ سے "بول رہی تھیں۔ "خیر، یہ پہلا موقع تو نہیں ہے جب میرے گھر والوں نے میری سالگرہ بھولا دی ہوں۔ "ایک سال پہلے، اس کے سولہویں سالگرہ پر، کسی کو یاد نہیں تھا۔ رات کے کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ لیکن ٹھیک رات کے بارہ بجے، اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو لیے وہ بستر سے اٹھی اور دروازہ کھولا۔ وہاں کامران اور ماہ نور کھڑے تھے، کیک ہاتھ میں تھامے، جس پر "16" کا موم بتی والا نمبر روشن تھا، اور وہ دونوں "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" گنگنا رہے تھے۔ انہوں نے کیک اندر لا کر میز پر رکھا۔ "موم بتیاں بجھاؤ، مہرو،" کامران نے کہا۔ مہرالنسا اور کامران کے درمیان رشتہ ماہ نور اور کامران کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرا تھا۔ خوشی کے آنسو اس کے چہرے پر بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو گلے لگا لیا، جو قد میں اس سے لمبا لیکن عمر میں ایک سال چھوٹا تھا، اور ماہ نور کو بھی گلے سے لگا لیا۔ "تم دونوں کو میری سالگرہ یاد تھی؟" مہرالنسا نے آنسوؤں کے بیچ پوچھا۔ کامران نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا، "مہرو، اس بات کا مطلب نہیں کہ میں تم سے ایک سال چھوٹا ہوں تو تمہاری پرواہ کرنا چھوڑ دوں یا تمہارا خیال رکھنا چھوڑ دوں۔" وہ نرم لہجے میں، لیکن محبت سے بول رہا تھا۔ مہرالنسا نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی، "مجھے معلوم ہے، سید کامران نواز۔ تم اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار ہو۔ بس ایک وعدہ کرو، میرے پیارے بھائی، ہمیشہ خوش رہنا، چاہے میرے

بغیر ہی کیوں نہ ہو۔"کامران نے الجھن بھری نظر سے اسے دیکھا، مگر اسی وقت مہر النسا نے اس کے ماتھے کو چوم لیا اور ماہ نور کے "رخسار" کو بھی محبت سے چوم لیا۔ اچانک سب کچھ دھندلا گیا، اور آنکھوں سے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔ کچھ تھا جو پچھلے سال سے بدل گیا تھا۔ اس نے سائڈ ٹیبل سے فون اٹھا کر وقت دیکھا: "11:30"۔ اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی، پھر اس نے فون بند کر کے واپس رکھ دیا۔ تاریکی نے کمرے کو دوبارہ اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مہر النسا نے تھکی ہوئی آنکھیں بند کر لیں اور کمبل سر پر اوڑھ لیا، خود کو مکمل ڈھانپ لیا۔ اس کے نیچے اس نے اپنا چہرہ تکیے میں چھپا لیا اور خاموشی سے رونے لگی۔ آنسو بہتے رہے، یہاں تک کہ وہ گہری نیند میں چلی گئی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایک دستک نے اس کی نیند توڑ دی۔ اس کے پاؤں فرش سے لگے جب وہ بستر سے اتری، چپل پہنی، اور آہستہ سے دروازے کی طرف چلی۔ ابھی پوری طرح جاگی بھی نہیں تھی کہ اس نے دروازہ کھولا۔

اچانک، ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ پارٹی پاپر کی آواز کے ساتھ رنگین کنفیٹی ہوا میں بکھر گئی۔ سامنے کامران اور ماہ نور کھڑے تھے، ہاتھ میں "17" کی موم بتی والا کیک کے ساتھ۔ پیچھے سے ایک اور آواز آئی——ایک لڑکی کی آواز——جس نے اسے مبارکباد دی: "ہیپی برتھ ڈے، مہرو۔" مہر النسا اپنی جگہ پر جم گئی۔ قریب ہی ایک لمبی لڑکی کا سایہ نمودار ہوا، لیکن وہ فوراً غائب ہو گیا۔ "کشف آپی؟!" مہر النسا نے بے ساختہ پکارا۔ وہ سایہ ایک وجود

میں تبدیل ہو گیا— ایک لمبی، بیس کی دہائی میں لڑکی۔ وہ کشف تھی، مہرالنسا کی کزن، اس کے تایا کی بیٹی، اور واحد شخص جس پر مہرالنسا اپنے تمام رازوں کے ساتھ بھروسہ کرتی تھی۔ کشف نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا، اور مہرالنسا روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ کشف کی مسکراہٹ غائب ہو گئی، جبکہ کامران اور ماہ نور اپنی جگہ ساکت کھڑے رہے۔ اچانک کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ مہرالنسا کی سسکیاں اچانک رک گئیں۔ کشف نے نرمی سے اسے خود سے دور کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ مہرالنسا نے پلکیں جھپکیں، اپنے آنسو پونچھے، اور بغیر کچھ کہے اپنے کمرے کی طرف واپس چل دی، اس کے قدم بھاری تھے۔ کشف وہیں کھڑی رہی، بے حرکت۔ مہرالنسا میں کچھ بدل گیا تھا— یا شاید کچھ بدلنے والا تھا۔ کچھ ایسا تھا جو کشف کو اندر سے ہلا کر رکھ گیا، کیونکہ مہرالنسا اس طرح کبھی نہیں روتی، اور اگر روتی بھی تو اچانک خاموش نہیں ہوتی۔

****

وہ خالی آنکھوں سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ کچھ تھا جس نے اس کو رونے سے روک دیا تھا۔ اسے ایک دم اپنے کمرے میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ مہرو نسا بھاری

قدموں کے ساتھ اپنے بستر تک آگئی، وہاں بیٹھ کر سائیڈ ٹیبل کی دراز نیچے جھک کر کھولی اور چیزیں اِدھر اُدھر الٹ پلٹ کرنے لگی۔ وہ بے ترتیب سانسوں کے ساتھ کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ بالآخر، چیزیں الٹ پلٹ کرنے کے بعد مہرونسا کا انہیلر مل گیا تھا۔ اس نے بغیر وقت ضائع کیے انہیلر کا ڈھکن کھولا اور اسے منہ میں ڈال کر ایک بار دبایا، تو اسے تھوڑی سانس آنے لگی۔ اس نے ایک اور بار دبایا، اور سانس ایک بار پھر ترتیب میں آنے لگی۔ اس نے انہیلر کو منہ سے نکالا اور اس کا ڈھکن واپس لگایا۔ دروازے پر دستک کی آواز مہرونسا کے کانوں تک پہنچی۔ اس نے کچھ لمحے پہلے والی بے ترتیب سانسوں کو ترتیب میں لاتے ہوئے پوچھا، "جی کون؟" "مہرو، دروازہ کھولو، "کامران کی آواز دروازے کے دوسری طرف سے آئی تھی۔ مہرونسا نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا انہیلر فوراً دراز میں ڈال کر دراز بند کر دی۔ وہ کسی کو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ بیمار ہے اور استھما کی مریضہ ہے۔ "کامران، دو منٹ میں کھول رہی ہوں، "مہرونسا نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے آواز لگائی۔ "میں اندر آ جاؤں؟" کامران نے بہت نرمی سے پوچھا۔ اتنی ہی نرمی سے، "ہاں، آؤ، "مہرونسا نے باتھ روم کا دروازہ کھولتے وقت اور اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ کامران دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا اور اس کے بستر پر خود کو آرام دے کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ کشف اور مہنور بھی اندر آ گئی تھیں۔ ماحور اپنے بھائی کے ساتھ بستر پر ہی بیٹھ گئی اور کشف نے اسٹڈی ٹیبل کے پاس پڑی

کرسی پر خود کو بٹھالیا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھائی تھی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اس خاموشی کا تسلسل باتھ روم کے کھلتے دروازے نے توڑا اور مہرونسا بہت مسکراتی اور خوش باش باہر آئی تھی۔ "کیا ہوا بچوں؟" مہرونسا نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ کا ماسک پہنتے ہوئے پوچھا۔ کامران، مہنور اور کشف تینوں اس کی طرف مڑے اور مسکرائے۔ "کچھ نہیں، بس تم ایک دم یوں کمرے میں آگئیں، ہم پریشان ہوگئے تھے،" کشف نے کرسی کی پُشت سے ٹیک لگاتے ہوئے شفقت اور محبت سے کہا۔ مہرونسا بس مسکرادی، وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی، اس کے پاس کہنے کے لیے الفاظ ہی نہیں تھے۔ مہرونسا کامران اور مہنور کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گئی اور دونوں کی گردن میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ "کیک نہیں کھانا تم دونوں بھوکر نے؟" مہرونسا نے شرارت بھری مسکراہٹ سے دونوں کو دیکھا۔ کامران اور مہنور بس مسکراتے ہوئے اٹھ کر دروازے سے باہر بھاگ گئے۔ اور جب مہرونسا نے کشف کو دیکھا، بھوری آنکھیں کالی آنکھوں سے ٹکرا گئی تھیں اور کشف نے ان بھوری آنکھوں میں وہ چمک نہیں پائی تھی جو ہمیشہ وہاں ہوا کرتی تھی۔ اس سے پہلے کہ کشف اپنا منہ کھول کے کچھ کہتی، دروازے سے کامران اور مہنور "17" کینڈل والا چاکلیٹ کیک اندر لا رہے تھے۔ وہ دونوں بہت احتیاط سے کیک کو اندر لائے۔ قدم بہت خاموشی اور احتیاط سے اٹھائے اور کشف کے برابر میں پڑی میز پر وہ کیک سجادیا۔ "مہرو، اب جلدی سے کینڈلز بجھادو،" مہنور

نے بہت جوش سے کہا تھا۔اور مہرونسا اپنے آرام دہ بستر سے اٹھ کر کیک کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کچھ پل کیک کو دیکھتی رہی، پھر آرام سے اپنے بالوں کو پیچھے لرساتے ہوئے اور پھر کینڈلز پر پھونک ماری اور وہ جلتا شعلہ کینڈل سے ہوا میں گم ہو گیا۔مہرونسا نے چھری اٹھائی اور چھوٹا سا ٹکڑا بہت آرام سے کاٹا اور وہ ٹکڑا اپنے منہ میں ڈالا۔سب ہنسنے لگے۔"مہرو، کیک پہلے مجھے کھلاؤ!"مہنور نے بہت معصومیت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔مہرونسا نے ایک بار پھر چھری اٹھائی اور تین چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے۔کیک کا ایک چھوٹا ٹکڑا اس نے مہنور کے منہ میں ڈالا اور پھر باری باری کشف اور کامران کے منہ میں۔چاروں اب ایک ساتھ بستر پر بیٹھے تھے۔"کشف آپی، آپ کب آئیں کینیڈا سے؟"مہرونسا نے اپنے برابر میں بیٹھی حجاب والی لڑکی سے پوچھا۔کشف نے اس کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی،"11:30 پر میری فلائٹ لینڈ ہوئی تھی اور چاچو کا گھر ایئرپورٹ سے زیادہ دور نہیں تھا تو آنے میں بیس منٹ لگے۔اور پھر تمہاری برتھ ڈے بھی ہے، تو سوچا کیوں نہ سرپرائز دوں؟"مہرونسا نے کشف کو گلے لگایا اور بہت آہستگی سے سرگوشی کی،"تھینک یو آپی۔"اب وہ چاروں وہاں بیٹھے UNO کھیل رہے تھے۔"ریورس کارڈ، واپس میری باری!"کامران خوشی سے چلایا تھا۔"ارے میری باری!"مہرونسا نے کامران کو بولا چھیڑتے ہوئے۔کامران نے بچوں جیسا چہرہ بنایا اور بہت معصوم لہجے میں بولا،"مہرو آپی، پلیز مجھے باری کرنے دیں۔"مہرونسا کے دل میں بہت

سے پٹاخے پھوٹے۔ بہت سالوں بعد کامران نے اس کو "آپی" بلایا تھا، ورنہ وہ اس کو "مہرو" ہی بلایا کرتا تھا۔ مہرونسا نے بس سر کے ہلکے سے ہاں میں اشارہ کیا۔ کچھ دیر سب وہیں بیٹھے رہے اور پھر اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے۔ کشف ماحور کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

****

****

کرسی سے پشت لگائے بیٹھا تھا، لیپ ٹاپ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور کمرے کا ہر کونا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ماتھے پر بال لٹکائے اسکرین کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ الجھن میں تھا یا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ ایک دم سے اس کی سوچ کا غبارہ کسی آواز سے ٹوٹا۔ "ماما!" ایک آواز شاہمیر کے پیچھے سے آئی۔ شاہمیر فوراً کرسی سے اٹھا، کرسی کی رگڑ زمین سے لگی اور وہ پیچھے کھسک گئی۔ شاہمیر اپنی جگہ سے اٹھ کر بستر پر لیٹے کمبل اوڑھے احمد کے پاس لپکا۔ "احمد بیٹا!" شاہمیر نے احمد کے اوپر سے کمبل ہٹاتے ہوئے کہا۔ لیکن احمد کی نیند پھر بھی نہیں ٹوٹی۔ "ماما!" احمد نیند میں بڑبڑایا، اور اسی وقت احمد کی آنکھیں جھٹکے سے کھل گئیں۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ احمد کی آنکھوں میں بہت سا پانی آیا، اس کے ہونٹ

ہلے اور وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ شاہمیر نے بیڈ کے پیچھے لگے سوئچ پر فوراً ہاتھ مارا، اور اندھیرے میں ڈوبا کمرہ یکدم روشن ہو گیا۔ احمد کی سسکیاں رک گئیں، اور کمرہ خاموشی کی چادر میں ڈھل گیا۔ احمد نے اپنے سامنے بیٹھے شاہمیر کو دیکھا۔ دونوں نے کچھ نہیں کہا۔ شاہمیر نے اپنے ہاتھ بڑھا کر احمد کو اٹھایا اور گود میں لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ "بھائی! ان گندے انکل نے ماما بابا کو کیوں مارا تھا؟" خاموشی ٹوٹ کر پھر جُڑ گئی۔ شاہمیر نے اپنے ہاتھوں کی گرفت احمد کے گرد اور مضبوط کر لی۔ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ "ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے، جو تھا تم لوگوں نے لوٹ لیا!" ایک مردانہ آواز لرز رہی تھی۔ اس مرد کے ساتھ ایک عورت کھڑی تھی، سہمی ہوئی۔ "ہمارے پاس واقعی اب کچھ نہیں بچا، گھر میں جو کچھ تھا وہ سب دے دیا۔ تم لوگ اب ہماری جان چھوڑ دو، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" وہ عورت اپنے ہاتھ باندھے ان تین لوگوں کے سامنے کھڑی تھی۔ "براہِ کرم! ایک ماں کی دعا سن لو۔" وہ عورت آنسوؤں سے رونے لگی، چیخنے لگی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی، لیکن سامنے کھڑے تین لوگ جانے کو تیار نہیں تھے۔ "تم دونوں نے ہمیں سب کچھ نہیں دیا، ہم تم دونوں کو جانے نہیں دیں گے!" ایک مردانہ آواز پورے کمرے میں گونجی۔ "میرا سب کچھ لے لو، گھر لے لو، میری گاڑیاں لے لو، میری بیوی بچوں کو چھوڑ

Clubb of Quality Content

دو!" وہ مرد بھی رویا، یا شاید چیخا تھا۔ ان تینوں نے اپنے ہاتھ پیچھے کسی چیز پر مارے اور یکدم کچھ ان دونوں کی طرف اٹھا۔ تین پستولوں کے نشانے ان میاں بیوی پر تھے۔ "نہیں، پلیز!" عورت روئی۔ "میری بیوی کو چھوڑ دو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں!" وہ مرد بھی رو دیا۔ ان تینوں نے ایک وحشت بھری نظر ان دونوں پر ڈالی اور پھر ایک کلک کی آواز آئی۔ اور چار گولیاں ہوا سے ہوتی ہوئیں ان دو لوگوں کو زمین پر گراتی چلی گئیں۔ وہ زمین پر گر گئے۔ زمین پر لال سمندر سا بننے لگا، ہر جگہ خون پھیلنے لگا اور یکدم سب دھندلا گیا۔ شاہمیر نے اپنی شرٹ پر نمی محسوس کی۔ اس نے ایک نظر اپنے سینے سے لگے احمد پر ڈالی۔ وہ رو رہا تھا، خاموشی سے بلک رہا تھا۔ موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے، جن کے نشان شاہمیر کی شرٹ پر پڑ رہے تھے۔ شاہمیر نے اس کے سر کو چوما۔ وہ اپنی آنکھوں میں آنسو بھر رہا تھا اور ان کو گرنے سے روک رہا تھا۔ اس نے احمد کے سر پر اپنی ٹھوڑی ٹکائی اور بہت نرمی سے اپنی لرزتی ہوئی آواز کو قابو کرتے ہوئے کہا، "وہ گندے انکل تھے نا، اس لیے انہوں نے ماما بابا کو مارا تھا، لیکن دیکھنا، اللہ میاں ان کو سزا دیں گے۔" شاہمیر نے اپنی ٹھوڑی اٹھا لی۔ اس نے اپنی انگلی اٹھا کر احمد کی ٹھوڑی کو اوپر کیا تا کہ اس کی آنکھیں شاہمیر کی آنکھوں سے مل سکیں۔ شاہمیر نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ، مگر نم آنکھوں سے اس کو دیکھا اور کہا، "اب سو جاؤ احمد، کل اسکول جانا ہے بچے۔" شاہمیر نے احمد کو گود سے اتار کر بستر پر بیٹھے

ہوئے کہا۔ "بھائی، آپ میرے پاس لیٹ جاؤنا!" احمد نے اپنے تکیے پر لیٹے وقت برابر میں خالی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ شاہمیر بغیر کچھ کہے اپنے پاؤں سے چپلوں کو زمین پر چھوڑ کر اس خالی جگہ پر لیٹ گیا۔ شاہمیر اس کے پاس لیٹ کر بستر کے سرہانے پر سر ٹکائے بیٹھا تھا اور مسلسل اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیر رہا تھا۔ احمد، شاہمیر کے بہت قریب اس کے گرد ہاتھ رکھ کر سو رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں جا چکا تھا۔ شاہمیر نے بہت احتیاط سے اس کو خود سے الگ کیا، اس کا کمبل درست کیا، اور واپس اپنی چپلیں پہن کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

****

واش روم سے نکل کر اس نے اپنی سائیڈ ٹیبل پر پڑی جائے نماز اٹھا کر زمین پر بچھائی۔ کمرے میں خاموشی بہت گہری تھی، مگر کمرے میں چھایا ہوا اندھیرا اب کہیں نہیں تھا۔ شاہمیر نے جائے نماز پر کھڑے ہو کر ہاتھ باندھے اور نماز شروع کی۔ کچھ دیر میں وہ سجدے میں جھکا ہوا تھا، شاید بے آواز رو بھی رہا تھا۔ اس نے انہی بے آواز آنسوؤں کے ساتھ اپنی نماز میں سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ پیالی کی شکل میں اٹھائے۔ اس نے ایک نظر احمد کو بستر پر پر سکون سوتے دیکھا، پھر اس نے ایک نظر موڑ کر اسٹڈی ٹیبل پر پڑی اپنی ماں باپ کی تصویر پر ڈالی۔

"یا اللہ، پانچ مہینے ہو گئے ہیں ماما بابا کی موت کو۔ میں اس چھوٹی سی جان کے سوالوں کے

جواب کیسے دوں گا؟"۔شاہمیر بے آواز رو رہا تھا۔اس کے ہونٹ ہل رہے تھے، مگر آواز باہر نہیں آ رہی تھی۔"یا اللہ، کیا زندگی واقعی اتنی سی ہوتی ہے؟ کہ پل میں یہاں آپ سانس لے رہے ہوتے ہیں اور پل میں کوئی آپ کو آپ کے ہی گھر میں آپ کے بچوں کے سامنے گولیوں سے مار دیتا ہے؟"شاہمیر کی آنکھوں سے آنسو اب طلب کی طرح بہہ رہے تھے۔

"میرے پاس کوئی نہیں بچا، اللہ! نہ دوست، نہ کوئی رشتہ دار۔"شاہمیر کے آنسو بہے جا رہے تھے،اس کے گالوں پر آنسو لگاتار گر رہے تھے۔"یا اللہ! بس مجھے اتنی ہمت دے کہ میں اپنے بھائی کو ایک اچھی اور خوشیوں سے بھری زندگی دے سکوں۔"شاہمیر نے بے آواز ملتے ہونٹوں سے کہا۔پھر اس نے ہاتھوں سے بنی پیالی کو توڑ کر "آمین" کہا اور ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر کر آنسو صاف کیے۔پھر اٹھ کر میز پر رکھا لیپ ٹاپ بند کیا، کرسی کو آگے دھکیلا اور سوئچ پر ہاتھ مارا۔کمرے میں روشنیاں یکدم اندھیرے میں ڈوب گئیں۔اس نے آنکھیں بھی بند کر لیں اور سونے کی کوشش کی، جو کئی دنوں بعد کامیابی کی صورت میں نصیب ہوئی۔

****

رات کا اندھیرا صبح کے اُجالے میں ڈوبنے لگا تھا اور ہر طرف اذان کی آوازیں گونجنے لگی

تھیں۔سائیڈ پر پڑا ہوا فون لگاتار بج رہا تھا۔اس کی آواز نے شاہمیر کی گہری نیند کو توڑا تھا۔ شاہمیر نے سائیڈ پر پڑا فون ہاتھ بڑھا کر اٹھایا اور اپنے الارم کو بند کر کے واپس اسے سائیڈ پر رکھ دیا۔اس نے اٹھ کر اپنے ہاتھوں سے انگڑائی لی۔اس نے اپنے پیروں کو بستر سے اتار کر زمین پر رکھا اور پھر چپل کو اپنے پیروں میں پہن کر ایک نظر اپنے برابر میں لیٹے احمد پر ڈالی اور ایک مسکراہٹ بے اختیار اس کے چہرے پر نمایاں ہوئی۔

وہ کمرے میں خاموشی کو برقرار رکھتے ہوئے آہستہ سے کھڑا ہوا اور باتھ روم کی طرف جانے لگا۔وہاں سے وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھوں سے پانی کے قطرے زمین پر گر رہے تھے۔ شاہمیر نے اپنے قدموں کو اور آگے بڑھایا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑی ایک جائے نماز اٹھائی اور قریب ہی زمین پر اسے بچھایا اور پھر وہاں فجر کی نماز کا آغاز کیا۔اس نے اپنی نماز تھوڑی دیر بعد مکمل کر لی تھی۔ تھر تھر کی آواز نے کمرے میں قائم خاموشی کو ایک بار پھر توڑا تھا۔ شاہمیر جو جائے نماز کو لپیٹ کر واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ چکا تھا،اس تھر تھر کی آواز کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ احمد کے اسکول کا الارم لگاتار بج رہا ہے۔

اس نے اپنا ہاتھ سائیڈ ٹیبل کے اوپر لگے سوئچ پر مارا۔کمرے میں پھیلا نیم اندھیرا چھت سے غائب ہو گیا تھا اور اب ہر جگہ روشنی ہی روشنی تھی۔شاہمیر موبائل کو واپس سائیڈ پر رکھ کر

احمد کی طرف مڑا اور اس کو آواز دی، "احمد بیٹا۔" احمد جو بہت گہری نیند میں ڈوبا تھا ایک بار بھی نہ ہلا۔ "اُٹھو احمد، اسکول جانا ہے بچے۔" شاہمیر نے اس کو اٹھانے کی کوشش نہیں چھوڑی۔ "احمد بیٹا، اٹھو دیر ہو رہی ہے ورنہ۔" شاہمیر کی کوشش ایک بار پھر ناکام ہوئی۔ "اُف یہ لڑکا!" شاہمیر خود سے بڑبڑایا۔ "احمد نواب خان! اٹھو، دیر ہو رہی ہے!" شاہمیر نے احمد کے اوپر سے کمبل کو ہٹایا اور اسے جھنجھوڑا۔ "اٹھ رہا ہوں بھائی۔" ایک سوتی ہوئی آواز شاہمیر کے کانوں تک پہنچی اور خاموشی نے ایک بار پھر کمرے کو اپنے اندر لپیٹ لیا تھا۔

شاہمیر کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آئی۔ "اچھا جلدی اٹھو، دیر ہو رہی ہے۔" شاہمیر نے بستر سے ایک بار پھر اٹھتے ہوئے کہا۔ احمد نے اپنی سوتی آنکھوں کو دن کے اُجالے میں کھولا تھا، پچھلی رات کا اندھیرا صبح کی روشنی میں ڈھل چکا تھا اور دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ احمد اپنے چھوٹے قدموں کے سہارے بستر سے اُترا اور باتھ روم کی طرف چلا گیا، اس کے پیچھے پیچھے شاہمیر بھی چلا گیا جو اب آفس کے کپڑے پہنے ہوا تھا۔ "بھائی، ٹوتھ پیسٹ تو لگا دیں۔" احمد نے اپنا ٹوتھ برش شاہمیر کی سمت بڑھایا ہوا تھا۔ "اچھا، لگا رہا ہوں۔" شاہمیر، جو اٹیچ ڈریسنگ روم میں شیشے کے سامنے اپنے بالوں کو جیل سے سیٹ کر رہا تھا، شیشے سے اس کا عکس دیکھتے ہوئے بولا۔

شاہمیر نے جیل سے اپنے بالوں کو ترتیب دے دی تھی اور باتھ روم کی طرف مڑ گیا تھا۔

"آپ کہاں جارہے ہیں بھائی؟" احمد، جو اپنا ٹوتھ برش شاہمیر کی طرف بڑھائے کھڑا تھا، شاہمیر کے جیل سے سیٹ بالوں کو دیکھ کر بولا تھا۔ "بیٹا، آپ کو اسکول ڈراپ کر کے آفس جاؤں گا۔" شاہمیر نے ٹوتھ پیسٹ کو اٹھایا اور اس کے ڈھکن کو کھولتے ہوئے ایک قطرہ برش پر گراتے ہوئے بولا۔ احمد نے بس سر ہلایا اور اپنے دانتوں کو برش کرنے لگا۔ شاہمیر واپس شیشے کے سامنے کھڑا تھا، اب مکمل تیار تھا اور احمد اپنے یونیفارم پہنے شاہمیر کے برابر میں کھڑا بالوں کو سیٹ کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ "بھائییییی۔" احمد نے شاہمیر کو چلاتے ہوئے پکارا۔ "یہی کھڑا ہوں میں، چلاؤ مت، احمد۔" شاہمیر نے اپنے برابر میں کھڑے احمد کے سامنے نظر آتے عکس پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، بولو، کیا ہوا؟" احمد نے بس ہیئر برش شاہمیر کی طرف بڑھایا اور یہ اشارہ شاہمیر کے لیے کافی تھا۔

شاہمیر نے احمد کے ہاتھوں سے ہیئر برش لیا اور تھوڑا جھک کر احمد کا قد اپنے مقابل لے آیا۔ اب شاہمیر بہت محبت سے احمد کے بالوں میں برش چلا رہا تھا۔ جب کمرے میں پھیلی خاموشی کو شاہمیر نے شرارت بھرے انداز میں احمد سے سوال کیا، "آج کیا ہوا احمد نواب خان کو؟ ویسے تو وہ اپنے بالوں پر کسی کا ہاتھ برداشت نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ میرا بھی۔ آج

کیسے ؟"شاہمیر "ماما" کہتے کہتے رک گیا مگر فوراً ہی بہت مہارت سے الفاظ میں تبدیلی کر دی۔ وہ رات میں ہونے والا واقعہ ابھی نہیں بھولا تھا۔ احمد کچھ نہ بولا، بس شیشے میں شاہمیر کے عکس کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

شاہمیر بھی جواباً مسکرا دیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں بھائی کمرے سے باہر تھے اور کچن میں کھڑے تھے۔ "صفینہ باجی!" شاہمیر نے گھر کی ملازمہ کو بہت عزت سے پکارا تھا۔ صفینہ جو کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھی، شاہمیر کی آمد پر مسکراتے ہوئے مڑی۔ "جی، شاہمیر بابا، بولیں۔" "" وہ آج میں ناشتہ نہیں کروں گا، بس ایک کپ کافی دے دیں اور اس چھوٹے بد معاش کا ناشتہ بھی جلدی بنا دیں۔" شاہمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ صفینہ نے سر کے خم سے جواب دیا اور واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد احمد اور شاہمیر میز پر بیٹھے تھے۔ شاہمیر کے ہاتھ میں ایک کافی کا مگ تھا، جبکہ احمد کے سامنے ایک سیریل باؤل تھا۔ احمد بہت خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ "صفینہ باجی، آپ نے کر لیا ناشتہ ؟" شاہمیر نے بہت عزت و احترام کے ساتھ کچن کی طرف جاتی صفینہ سے پوچھا۔ شاہمیر اپنے گھر کے ملازموں کی بہت عزت کرتا تھا

******

سورج اپنی بلندی پر تھا، اپنی سنہری کرنوں سے آسمان کو روشن کر رہا تھا، جو دن کی روشنی سے دمک رہا تھا۔ فضا میں ایک نرم گرمی پھیل چکی تھی اور باہر سے صبح کی زندگی کی مدھم آوازیں آرہی تھیں۔ خاموش کمرے میں ایک لڑکی بستر پر لیٹی ہوئی تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری نیند میں غرق تھی۔ اس کے لمبے بال تکیے پر پھیل گئے تھے اور کمرہ، جو رات کی باقیات سے مدھم روشنی میں ڈوبا تھا، ایک پُرسکون فضا میں تھا۔ کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھلا اور قدموں کی آوازیں نرم نرم گونجنے لگیں۔ وہ قدم آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتے گئے، جیسے اس کی نیند میں خلل ڈالنے سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ وہ قدم شاید گھنے پردوں کی طرف جا رہے تھے، جو سورج کی تیز کرنوں کو کمرے میں داخل ہونے سے روک رہے تھے۔ کسی نے ان بھاری پردوں کو کھینچ کر ہٹایا اور سورج کی روشنی نے کمرے کے ہر کونے کو بھر دیا، ان سایوں کو ختم کرتے ہوئے جو ہوا میں لٹک رہے تھے۔ کمرہ اچانک زیادہ روشن اور گرم محسوس ہونے لگا۔ "مہرُو بیٹا، "نسرین کی نرم آواز کمرے میں گونج گئی، نرم لیکن واضح، جب وہ دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ "اٹھ رہی ہوں، امی، "مہرُالنسا کی آواز آئی، جو کمبل کے نیچے سے مدھم تھی، اس کی آواز میں ابھی تک نیند کا اثر تھا۔ "اچھا،

جلدی آجاؤ، باہر ناشتہ لگا رہی ہوں میں، "نسرین نے کہا،اور اس کے قدم دروازے کی طرف پیچھے ہٹتے ہوئے سنائی دیے۔ نسرین کے جانے کے بعد مہرُالنسا نے کمبل اپنے اوپر سے ہٹایا اور کچھ دیر تک وہ وہیں لیٹی رہی، چھت کو خالی نظریں سے دیکھتے ہوئے۔ باہر کی نرم آوازیں، پرندوں کا چہچہانا اور درختوں کی پتوں کی سرسراہٹ دور سے آرہی تھی، جیسے یہ سب کچھ اس سے بہت دور ہو۔ "کیا کار کریش واقعی میری غلطی تھی؟" اس نے خود سے تلخ آواز میں کہا،الفاظ فضا میں معلق ہو گئے۔ اس نے سر جھٹک کر ان خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ گہرے احساسات کا بوجھ اپنے اندر محسوس کر رہی تھی، جو اسے مشکل سے اتارنے میں آرہا تھا۔ بڑی تکلیف کے ساتھ،اس نے اپنے پیر بستر سے نیچے لٹکائے،اور زمین کی ٹھنڈک نے اسے فوراً اپنی چپلیں پہننے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے فون کو اٹھایا، جو بیڈ کے پاس پڑا تھا،اور فون کی روشنی نے اس کے چہرے کو روشن کر دیا۔ اس کی نظریں فون پر ایک نظر ڈالیں، پھر دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا، جو صبح کے نو بجا رہی تھی۔ صبح کی روشنی ہر جگہ پھیل چکی تھی، کمرہ اب زندہ محسوس ہو رہا تھا۔ مہرُالنسا نے آہستہ آہستہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف قدم بڑھائے۔ باتھ روم میں پانی چلنے کی آواز آئی، پھر کچھ دیر بعد وہ باہر آئی اور اپنے کمرے میں موجود واک اِن کلوزٹ کی طرف چل پڑی۔ وہاں پہنچ کر اس نے کمرے کی روشنی کو دیکھتے ہوئے اپنے کپڑے چنے۔ جب وہ واپس واک اِن کلوزٹ سے

چینجنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک سرخ رنگ کا سوٹ تھا، جس کا کپڑا نرم اور ملائم تھا۔ اس رنگ نے کمرے کے ماحول کو روشن کر دیا تھا، اور وہ کچھ دیر اسے دیکھتے ہوئے اسے پہنے۔ چینج کرنے کے بعد مہرُالنسا نے خود کو بہت احتیاط سے سنوارا اور پھر باہر ناشتہ کرنے کے لیے چلی گئی، اس کی حرکتیں پُرسکون اور متوازن تھیں، باوجود اس کے کہ اس کے ذہن میں مختلف خیالات اب بھی گردش کر رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب 2:

ہوا میں تازہ پراٹھوں اور گرم چائے کی مہک بسی ہوئی تھی، جیسے کسی پرانے گھر کا پرسکون منظر، جو ہر صبح نئے احساس کے ساتھ زندہ ہوتا ہو۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی، نیچے اتر رہی تھی، اور ہر قدم پر روشنی ایک نئے رنگ میں جل اٹھتی، اس کا راستہ چمکنے لگتا—مگر جیسے ہی وہ آگے بڑھتی، پیچھے چھوڑی ہوئی روشنی دھیرے دھیرے اندھیروں میں ڈوبتی جا رہی تھی، جیسے تاریکیاں اپنی کھوئی ہوئی جگہ واپس لینے کی کوشش کر رہی ہوں۔

آخری سیڑھی پر آتے ہی، اس کے قدموں نے رک جانا بہتر سمجھا۔ نظر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے اس کے والد پر ٹک گئی، جو کشف سے مطمئن لہجے میں گفتگو میں مصروف تھے، جیسے سب کچھ اب بھی ویسا ہی ہو، مگر سب ویسا نہیں تھا۔ اس کے ہونٹوں سے ہلکی سی سرگوشی نکل کر ہوا

میں گم ہو گئی۔

"میں بے گناہ تھی، ابو۔۔۔"

اسی وقت، اس کی ماں کچن سے باہر آئی، ہاتھوں میں گرم مکھن لگے پراٹھے تھامے ہوئے۔ اس نے پلیٹ اپنے شوہر کے سامنے رکھی، اور ایک ایسی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی جو صرف سچی محبت کی چمک رکھتی تھی۔ ان کی آنکھیں ایک بے مثال شدت سے چمک رہی تھیں—وہ محبت جو وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی گئی تھی، جو کبھی کسی طوفان سے نہیں ہلی تھی۔

وہ لڑکی، جو سر سے پاؤں تک لال جوڑے میں لپٹی تھی، بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ اس کی انگلیاں دھیرے سے بند ہونے لگیں، جیسے کسی انجانے جذبات کو اپنے اندر سمیٹ رہی ہوں۔ پھر، ایک بار، اس کی آواز ہواؤں میں گھل گئی۔

"میں بے گناہ تھی، امی۔۔۔"

اس کے الفاظ اپنے ہی راستے پر چل کر، دھیرے دھیرے اس سے دور ہو گئے، اور آخری روشنی کے بجھنے سے پہلے، اندھیرے نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کچن سے نکل کر

نسرین، میز پر پراٹھے سجاتے ہوئے، دروازے کے پاس سیڑھیوں پر رک گئی۔

"مہرو، آؤ بیٹا، ناشتہ کر لو۔"

نواز، جو کشف کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے، اپنی بیوی کی آواز پر مڑ گئے۔ ان کی آنکھوں میں ایک گہرا تفکر تھا، جو کشف نے بھی محسوس کیا۔ سب کی نظریں، صرف مہرو پر، اس کی خالی آنکھوں پر ٹک گئی تھیں۔ کشف نے ایک اور کوشش کی اس کی آنکھوں کو سمجھنے کی، لیکن وہ پھر نہ سمجھ پائی۔

"ہیپی برتھ ڈے ایک بار پھر، مہرو،" کشف نے اپنی کرسی سے اٹھ کر، اس کے پاس جانے کی کوشش کی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ٹیبل پر بیٹھے نواز شاہ اور نسرین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آج مہرو کا برتھ ڈے ہے؟" نواز نے سرگوشی کی۔

نسرین تھوڑا جھکی، تاکہ نواز کے کان تک پہنچ سکے، "مجھے یاد نہیں تھا، میں کام میں مصروف تھی۔"

دونوں کی سرگوشی مہرو کی نظروں سے چھپ نہیں پائی تھی، اور اسے ایک لمحہ نہیں لگا کہ وہ اس بار بھی اپنی سالگرہ بھول گئے تھے۔ ایک تکلیف دہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری تھی۔ کشف اس کے پاس کھڑی تھی اب۔

"آؤ نا، دونوں مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔"

اس تکلیف دہ مسکراہٹ کو اپنے چہرے پر برقرار رکھتے ہوئے، وہ کشف کی طرف مڑ گئی۔

"مجھے بھوک نہیں آئی۔"

یہ کہہ کر، وہ پھر سے مڑ گئی، اور پرانی روشنی کے بجھنے کے بعد، ایک بار پھر روشنی نے سارا ماحول اپنے رنگوں سے بھر دیا تھا۔ اور نیچے میز کا خوشگوار ماحول بھی ہوا میں کہیں گم ہو گیا تھا، جب کہ کشف وہاں، صرف اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی، کھڑی رہ گئی تھی۔

"اس بار بھی ہم اس کی سالگرہ بھول گئے، نسرین؟" نواز نے اپنی کرسی سے اٹھ کر، نسرین کو دھیرے سے کہا۔

"ہاں، اس بار بھی،" نسرین کی آواز کسی پرانی یادوں سے آئی تھی۔

کشف اپنی کرسی کی طرف واپس آگئی تھی۔اور اس وقت، دونوں نواز اور نسرین اپنی سوچ سے نکل کر حقیقت میں لوٹ آئے۔

"مہرو نہیں آئی؟"

نسرین اور نواز نے ایک ساتھ پوچھا، اور کشف نے صرف اپنے سر کو انکار میں ہلا دیا۔سب کی بھوک، ایک دم سے ختم ہو گئی تھی۔

******

کمرہ ٹھنڈا تھا، ایئر کنڈیشنر کی ہلکی سی گنگناہٹ باہر کی شدت بھری گرمی سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔شاہ میر نواز، جو اپنی لیٹ ٹیز میں تھا، ڈیسک پر بیٹھا اپنی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے چلا رہا تھا۔خاموشی کو ایک جانی پہچانی خوشبو نے توڑا، اور ایک سریلی آواز نے سناٹے کو چیر دیا—

"مسٹر شاہ میر نواز، سی ای او آف سکندر ٹیکسٹائلز۔"

اس نے نظر اٹھائی اور سامنے کھڑی عورت پر جا ٹکائی، اور وقت ایک پل کے لیے رک گیا۔

نام بے اختیار اس کے ہونٹوں سے نکل گیا——

"مس عفرین۔"

ایک ہلکی سی شکن اس کے ماتھے پر ابھری، جس میں حیرانی اور کچھ اور گہرا چھپا تھا۔ عفرین کی آنکھوں میں جھجک چمکی، پھر اس نے نظر جھکا لی، جیسے اپنی مسکراہٹ کے پیچھے شرم چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"بیٹھیے، پلیز،" شاہ میر نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا، مگر ایک انجانا تناؤ محسوس ہو رہا تھا۔

عفرین نے مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا، "کیسی گزری؟"

شاہ میر کا جواب مختصر تھا۔

"ٹھیک ہوں،" اس کا لہجہ اتنا ہی ٹھنڈا تھا جتنی اس کی آنکھوں میں چھپی کوئی ادھوری کہانی۔

عفرین نے ایک پل سوچا، پھر آہستہ سے بولی، "میں نے سنا... تمہارے والدین کے ساتھ جو ہوا"...

شاہ میر کی آنکھیں ایک پل کے لیے چھپ گئیں، پھر اس نے دھیرے سے کہا، "یہ ان کا

مقدر تھا۔"

اس کا لہجہ سست ہو گیا، جیسے یہ موضوع اس کے لیے زیادہ گہرا تھا۔

عفرین نے ماحول ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

"پاپا نے تمہیں آج ہمارے گھر بلایا ہے،" اس نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

شاہ میر نے فوراً نظر اٹھائی، جیسے کوئی پرانا راز تلاش کر رہا ہو۔

"تم کب واپس آئی عربیہ سے؟"

عفرین نے گرمی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "کل...اور آج سوچا سب سے پہلے تمہیں سرپرائز دوں۔"

شاہ میر کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے نرمی آئی، مگر وہ احساس اتنی ہی جلدی غائب ہو گیا جتنی جلدی آیا تھا۔

"شاید پرسوں،" اس نے کیزشولی کہنے کی کوشش کی، مگر جھوٹ اس کی آواز میں محسوس ہو رہا تھا۔

"آج مصروف ہوں۔"

عفرین ہلکا سا مسکرا دی، مگر اس دفعہ اس کی مسکراہٹ زیادہ گہری نہ تھی۔

"ٹھیک ہے،"اس نے دھیرے سے کہا، پھر ماحول توڑنے کے لیے پوچھا،"احمد کیسا ہے؟"

شاہ میر کا جواب دھیرے اور بے رغبت تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

عفرین نے اس کی طرف دیکھا، مگر شاہ میر کا دھیان اب فون کی اسکرین پر تھا۔وہ اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا——بیزار، خاموش اور دور۔

ایک لمبی خاموشی نے دونوں کے درمیان فاصلہ اور بڑھا دیا۔عفرین نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا، پھر بے آواز اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کی روانگی کا شاہ میر کو احساس بھی نہ ہوا، جواب بھی اپنے فون میں کھویا ہوا تھا۔عفرین نے جاتے جاتے ہلکا سا الوداع کہا، مگر اس کی آواز سناٹے میں گم ہو گئی۔

جیسے ہی وہ کمرے سے باہر گئی، ایک عجیب سی ٹھنڈک شاہ میر کے اندر اتر گئی۔پہلی بار اس کی نظر کام یا دنیا سے ہٹا کر فون کی اسکرین پر تھی——ایک تصویر پر، ایک چہرہ جو اس کے دل کی گہرائیوں میں کب کا بس چکا تھا۔

کمرے میں اب بھی ایئر کنڈیشنر چل رہا تھا، مگر اب یہ ہوا اس کے اندر کی سوچ بچار کے مقابلے میں زیادہ ٹھنڈی محسوس ہو رہی تھی۔

*****

سنیہری صبح کی کرنیں کھڑکیوں سے چھن کر کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔ روشنی دروازے پر پہنچی اور سامنے سرخ آرگنزا لباس میں بیٹھی لڑکی پر گرم چمک ڈال گئی، جو خاموشی سے اپنے گھٹنے کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی، اس کی تھوڑی گھٹنے پر ٹکی ہوئی تھی اور آنسو خاموشی سے اس کے گالوں پر بہ رہے تھے۔ "یہ میری غلطی نہیں تھی، اللہ،" اس نے خاموشی میں سرگوشی کی۔ "میں نے انہیں منع کیا تھا۔" اس کی کانپتی ہوئی آواز خاموشی میں گھل گئی، جب اس کی نظر اپنے مطالعے کی میز پر پڑی۔ سورج کی روشنی سیاہ ہیڈ فونز پر رقص کر رہی تھی، جو سونے کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ آہستہ سے اٹھی، اس کا دوپٹہ اس کے کندھوں سے پھسل گیا اور زمین پر گر گیا۔ اس کے قدم ہیڈ فونز کی طرف بڑھنے لگے۔ انہیں اٹھاتے ہوئے، اس نے انہیں اپنے کانوں پر رکھا اور اپنے فون سے جوڑ دیا۔ وہ اپنے بکھرے ہوئے بستر پر گر گئی، اس کے پاؤں مشکل سے زمین کو چھو رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں

آنسو کا طوفان، جو دبا ہوا دکھ بیان کر رہا تھا، بے قابو ہو کر بہ نکلا۔ اس نے اپنا پسندیدہ انگریزی گانا چلا دیا، وہی گانا جو ان دنوں اس کی تسلی بن گیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی کمرے کی روشن روشنی غائب ہو گئی، اور اس کی جگہ ذہن کے سائے چھا گئے۔ ایک واضح یاد اس کے شعور کی گہرائیوں سے نکل کر ایک منظر کی طرح چلنے لگی۔ ایک کم عمر مہر نسا، جو مشکل سے 14 سال کی تھی، گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھی اپنے والد سے خوشی خوشی باتیں کر رہی تھی۔ ان کی نظریں سڑک کنارے دکان پر جمی ہوئی تھیں۔ "مہرُو، تمہاری ماں کو میٹھا پان پسند ہے، ہے نا؟" انہوں نے گرمجوشی سے پوچھا، ان کی آواز میں محبت اور آنکھوں میں چمک تھی۔ مہر نسا نے لمحہ بھر کے لیے گاڑی کی نئی ٹچ اسکرین سے نظریں ہٹا کر روشن مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "جی، ابو۔ وہ اسے پسند کرتی ہیں۔" اپنے والدین کی ایک دوسرے سے محبت ہمیشہ اس کے دل میں تعریف کے ساتھ ایک ہلکی سی حسد بھی پیدا کرتی تھی۔ "میں جلدی سے لے آتا ہوں،" نواز نے کہا، ان کے لہجے میں نرمی تھی، اور وہ محبت بھری آواز میں اس کی طرف مڑے۔ "کامران اور محنور کا خیال رکھنا، ٹھیک ہے؟ گاڑی آن ہے کیونکہ باہر گرمی ہے، لیکن انہیں کچھ بھی نہ چھونے دینا۔" انہوں نے گاڑی کو دکان کے پاس پارک کیا، لیکن یہ نوٹ کرنے میں ناکام رہے کہ ہینڈ بریک نیچے تھا، وہ اپنی بیوی کے خیالات میں الجھے ہوئے

تھے۔ گیئر کو صرف پارک میں رکھ کر، نواز گاڑی سے نکلے اور دکان کی قطار میں شامل ہو گئے۔ گاڑی کے اندر، کم عمر کامران، ہمیشہ بے چین، مہر نسا کے احتجاج کے باوجود ڈرائیور کی سیٹ پر جا بیٹھا۔ "کامران، پیچھے بیٹھو! گاڑی آن ہے، اور محنور بھی ضد کرنے لگے گی!" اس نے التماس کی۔ اسے نظرانداز کرتے ہوئے، کامران نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسٹیئرنگ وہیل کو پکڑ لیا۔ مہر نسا کا دل ڈوب گیا جب محنور، کامران کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، سامنے کی سیٹ پر آ بیٹھی اور اپنے چھوٹے ہاتھ وہیل پر رکھ دیے۔ "براہِ کرم، تم دونوں واپس جاؤ!" مہر نسا نے کہا، انہیں روکنے کی بے تابی سے کوشش کی۔ اس کی مایوسی بڑھتی گئی، لیکن اس کی کوششیں ناکام رہیں۔ اچانک، ایک اونچی آواز نے تناؤ کی خاموشی کو توڑ دیا؛ کامران نے گیئر کو پارک سے ڈرائیو پر موو کر دیا تھا۔ "دیکھو، آپی! میں نے گیئر بدلا!" کامران نے فخر سے کہا، خطرے سے بے خبر۔ وقت جیسے تھم گیا جب گاڑی دیوار کی طرف بڑھنے لگی۔ مہر نسا کے دل میں گھبراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنے بہن بھائیوں کو بچانے کی کوشش کی اور دوسرے ہاتھ سے پوری طاقت کے ساتھ ہینڈ بریک کو کھینچ لیا۔ گاڑی زور سے جھٹکی اور دیوار سے چند انچ کے فاصلے پر رک گئی۔ نواز، جو دور سے ہلچل دیکھ رہے تھے، گاڑی کی طرف دوڑیں، اور دروازہ کھول کر چیخے، "یہاں کیا ہوا؟" ان

کی آواز غصے اور خوف سے کانپ رہی تھی۔ "ابو، ہینڈ بریک نیچے تھا، اور کامران نے گیئر بدلا!" مہرنسا نے وضاحت کی، اس کی آواز جذبات کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ لیکن نواز کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ انہیں آگے نہ آنے دو! تم اتنی غیر ذمہ دار کیسے ہو سکتی ہو، مہرنسا؟" انہوں نے پورا غصہ اس پر نکالا۔ کامران اور محنور، اپنے والد کے غصے سے ڈر کر، پیچھے کی نشست پر چلے گئے۔ مہرنسا نے وضاحت دینے کی کوشش کی، اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "لیکن ابو—" "خاموش!" نواز نے اسے ٹوکا، ان کا غصہ امڈ آیا۔ "تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے میرے بچوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا، اور گاڑی کو بھی!" مہرنسا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن اس نے انہیں اندر ہی اندر روک لیا، اس کے گلے میں ایک گانٹھ سی بن گئی۔ گھر واپسی کا سفر خاموشی سے بھرا ہوا تھا، جسے کبھی کبھار سسکوں نے توڑا۔ گھر پہنچ کر نواز نے گاڑی کو احتیاط سے پارک کیا، اس دفعہ یہ یقین کر کے کہ ہینڈ بریک اوپر اور گیئر محفوظ ہو۔ انہوں نے کامران اور محنور کو باہر نکالا اور گلے لگا لیا۔ "تم ٹھیک ہو، اور یہ سب سے اہم بات ہے،" انہوں نے محبت سے کہا اور ان کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ مہرنسا، جو گاڑی کے اندر بیٹھی تھی، اپنی آنکھوں میں آنسو کے دھندلے منظر کے ساتھ یہ سب دیکھتی رہی۔ وہ خاموشی سے اتر کر گھر میں داخل ہو گئی، اس کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ "مہرنسا، یہاں

رہو،"نواز نے سخت لہجے میں کہا، کامران اور مخنور کو محبت بھری آواز میں اوپر بھیج دیا۔ "نسرین!" نواز نے زور سے آواز دی۔ نسرین، جو اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھ رہی تھیں، باورچی خانے سے نکلیں اور اپنی بیٹی کے آنسو سے تر چہرے پر نظر پڑی۔ "کیا ہوا، مہرُو؟" انہوں نے ہمدردی سے پوچھا، ان کی آواز میں تشویش تھی۔ لیکن مہر نسا کے بولنے سے پہلے ہی نواز کی گرجتی ہوئی آواز نے کمرے کو بھر دیا۔ "اس کی لاپرواہی کی وجہ سے آج ایک بڑا حادثہ ہوتے ہوتے بچا! میں نے کہا تھا کہ کامران اور مخنور پر نظر رکھو، لیکن یہ ناکام رہی۔ وہ دونوں اگلی سیٹ پر تھے، اور گاڑی قریب تھی کہ ٹکرا جاتی کیونکہ گیئر ڈرائیو پر تھا!" نسرین اپنے شوہر کی باتیں سنتے ہوئے خاموش کھڑی رہیں۔ نواز کی آواز ایک مرتبہ پھر بلند ہوئی۔ "اور اب یہ کامران پر الزام ڈال رہی ہے! بتاؤ، نسرین، ایک 11 سال کا بچہ، جو اندھیرے سے ڈرتا ہے، گیئر کیسے بدل سکتا ہے؟" خاموشی نے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور نواز کا غصہ عروج پر تھا۔ مہر نسا کا چہرہ آنسو کی گرمی سے دہک رہا تھا، اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرتی، اس کے والد کے تھپڑ کی گونج نے کمرے کی ہوا کو کاٹ دیا۔ "یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا! تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے میرے بچوں کی جان خطرے میں پڑ سکتی تھی!" نواز کا غصہ اب بھی تھما نہیں تھا۔ مہر نسا کا چہرہ جہاں تھپڑ کی مار کا درد محسوس کر رہا تھا،

وہیں اس کا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھنے کی کوشش کی، لیکن وہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ "میں بھی آپ کی بیٹی ہوں، ابو، امی،" اس نے روح کے گہرائیوں سے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا، لیکن اس کی بات سننے والا کوئی نہیں تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی، صرف مہرنسا کے دبے ہوئے سسکوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نسرین نے ایک لمحے کے لیے مہرنسا کی طرف دیکھا، لیکن کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنے شوہر کے ساتھ چل گئی، مہرنسا کو اس کے دکھ کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر۔ مہرنسا اپنے کمرے کی طرف دوڑی، دروازہ بند کیا اور اپنے بستر پر گر گئی۔ اس نے اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے دکھ کو کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرے گی۔ اس وقت اس کی دنیا صرف اس کا دکھ اور تنہائی تھی۔ پچھلے دنوں کی یاد اس کے ذہن میں پھر گھوم گئی۔ وہ اپنے آنس

****

ہاتھوں میں سیریلز کا باؤل تھامے، وہ دونوں ٹی وی کے سامنے بیٹھے تھے۔ کامران سوفے پر پُر جامان تھا، جبکہ ماہنور زمین پر بیٹھی ہوئی تھی، آنکھیں ٹی وی پر مرکوز کیے ہوئے۔ ابھی صبح کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ دونوں تھوڑی دیر پہلے ہی کمرے سے نکلے تھے۔ پورا نواب

ہاؤس خاموشی میں گھرا ہوا تھا، جیسے کسی طوفان کے آنے سے پہلے کی خاموشی جو ہر جگہ پھیل جاتی ہے۔

"بھائیی!" ماہنور زور سے چِلائی تھی۔

"آؤچ!" ماہنور نے پلٹ کر کامران کو دیکھا تھا، اُس نے ٹی وی کا ریموٹ اُس کے سر کے پاس مارا تھا۔

"یہی بیٹھا ہوں نہ میں، تو چِلانے کی کیا ضرورت ہے؟" کامران نے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

"سوری!" ماہنور کی آواز بہت ہلکی آئی تھی، اور کامران کو منہ پھٹنے میں دیر نہیں لگی۔ "اچھا، بولو کیا ہوا؟" کامران اپنا باؤل سائیڈ میں رکھ کر نیچے اُتر آیا۔

ماہنور کا چہرہ فوراً مسکراتا ہوا پھیل گیا۔ "آپی کمرے میں ہیں، چلیں انہیں گفٹ دے کر آتے ہیں!" ماہنور نے بہت جوش میں کہا تھا، "مجھ سے اور صبر نہیں ہو رہا!"

ماہنور کی بے تابی صاف ظاہر تھی۔کامران نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا اور اپنا ہاتھ ثابت قدمی سے اُٹھایا۔ماہنور نے فوراً اُسے تھام لیا اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

کامران اور ماہنور اپنے اپنے کمرے سے مہرونسا کا گفٹ اپنے ہاتھوں میں تھامے،اُس کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ان کے قدم آہستہ آہستہ مہرونسا کے کمرے کے قریب پہنچے،اور بالآخر وہ دونوں اُس کے کمرے کے سامنے کھڑے تھے۔بہت آہستگی،دونوں نے کمرے پر دستک دی، مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ماہنور نے ایک بار پھر ہاتھ بھر کر دستک دی، مگر اس بار بھی کوئی جواب نہ آیا۔

کامران نے اپنے ہاتھ کمرے کے دروازے کے تالا پر رکھا اور دھیرے سے گھمایا،اور دروازہ کھل گیا۔

"مہرو..."کامران نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے آواز دی۔"مہرو آپی!"ماہنور نے بھی اُس کی پیروی کی، جیسے ہمیشہ کرتی تھی۔

مگر جواب میں صرف خاموشی چھا گئی تھی۔جب کامران کی نظر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر پڑی،تو وہ فوراً اُس کی طرف لپکا اور اُٹھالیا۔

"کامران، ماہنور، یہ کشاف آپی، جسے بھی یہ کاغذ ملے، ناراض نہ ہونا، میں جارہی ہوں، گھر سے کچھ گھنٹوں کے لیے جارہی ہوں، مال پر کام ہے۔" کامران کے قدم جیسے اپنی جگہ پر جام گئے تھے، اس کے ہاتھ میں تھاما ہوا کاغذ زمیں پر گر گیا۔

"کشاف آپی! کشاف آپی!" کامران چلاتا ہوا برابر والے کمرے میں کشاف کے پاس پہنچا۔

"آپ یہ دیکھیں!" کامران نے ہاتھ میں تھاما ہوا کاغذ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

کشاف نے کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ پڑھے اور پھر پورے اعتماد اور سکون سے کہا، "مال گئی ہیں، وہ کامران بھاگے نہیں ہیں۔"

کچھ تھا کشاف کی آواز میں، جس نے کامران کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا۔ "وہ کیسے اتنی پر سکون ہو سکتی ہیں؟" یہ سوال اُس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔

اچانک کشاف کا فون بجنے لگا اور اس کے چہرے پر ایک گہری مایوسی کی لہر پھیل گئی۔

****

کامران اور منور کے آنے سے ٹھیک ایک گھنٹہ پہلے، مہر نسا اپنے کمرے میں بیٹھی تھی جب ایک نوٹیفیکیشن اسکے فون پر آئی تھی: "شمیر نواز، سی ای او آف سکندر ٹیکسٹائل، کو سب سے کم عمر سی ای او ہونے پر انعام دیا جائے گا۔" اسکی آنکھوں میں آنسو تھے، جو دھیرے دھیرے غائب ہو گئے۔ "شمیر،" مہر نسا کو ایسا لگا جیسے کوئی شوک لگ گیا ہو۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ہونٹوں کو بے چینی میں ڈھانپ لیا۔ "شمیر، بے غیرت انسان،" اس بار اسکی آواز میں دبا ہوا غصہ تھا۔ "دھوکے باز شخص،" وہ اسے کوس رہی تھی۔ دوسری طرف، شمیر اپنے کیبن میں بیٹھا فون پر ایک ای میل دیکھ رہا تھا۔ وہ ای میل پہلے اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، مگر اب وہ اس کے لیے بہت معنی رکھتی تھی۔ "مہر نو شانواز، بالا خر آپکی ایک تصویر مل ہی گئی مجھے۔" کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک ابھی تک برقرار تھی، مگر کچھ پل پہلے کی سنجیدگی اب اسکے چہرے سے جا چکی تھی اور وہ مسکراہٹ میں ڈھل گیا تھا۔

"I am sorry Mehru، میں چاہ کر بھی اپنا وعدہ نہ رکھ سکا،" وہ نام آنکھوں کے ساتھ خود سے بول رہا تھا۔ جب ایک خیال آتے ہی اس نے اپنا چہرہ اٹھایا، وہ کمرے میں اکیلا تھا اور اسکو اس بات کا کوئی اندازہ نہیں تھا کہ افریں کمرے سے جا چکی تھی۔ اس نے اپنی پست کو ریوالونگ چیئر سے ٹکا دی، اب اسکا فون اسکی نظریں کے سامنے تھا۔ "اگر میرے کالج

والوں نے کوئی کام اچھا کیا ہے تو وہ یہ لاسٹ پیج کی تصاویر ای میل کرنا ہیں،"وہ خود سے بول رہا تھا۔اتنے مہینوں بعد اسے خوشی ملی تھی، جیسے کسی بچے کو اس کی پسند کی چیز مل گئی ہو۔" مہرنسا نواز شاہ، اب میں آپکو ڈھونڈ ہی لوں گا،"وہ خوشی سے بول رہا تھا۔مہرنسا نے اپنے آنسوؤں کو پیچھے کیا اور رفتار سے منہور کے کمرے میں آئی، جہاں کشاف اکیلی بیٹھی تھی۔

"آپیی!"مہرنوشا چیکتی ہوئی کمرے میں گھس گئی تھی اور کشاف اسے دیکھ کر ڈر گئی۔"اللہ، مہرُو، آرام سے، میں ڈر گئی تھی،"ایک شرمیلی مسکراہٹ اسکے چہرے پر ابھری تھی اور کشاف نے اسکی آنکھوں میں وہ چمک دیکھی تھی۔"اچھا، سنو تو،"مہرنوشا اب اسکی طرف بڑھنے لگی تھی۔"جی، جی، میں سن رہی ہوں،"کشاف بھی اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔"میں مال جا رہی ہوں، مجھے ایک کام ہے وہاں، آپ گھر پر کسی کو مت بتانا،"مہرنوشا نے نرمی سے کہا تھا، مگر اسکے لہجے میں جو خوشی تھی وہ کشاف سے نہیں چھپی تھی۔"اچھا، ٹھیک ہے، جاؤ مگر ڈرائیور کا کیا؟"کشاف نے پریشانی سے اس سے پوچھا تھا۔"ڈرائیور کے ساتھ جا کون رہا ہے؟ میں تو رکشے میں جا رہی ہوں،"اسکے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔"اور چاچا چچی کا؟"مہرنوشا کے لہجے میں اُترتی پریشانی اب بھر گئی تھی۔"انکو فرق نہیں پڑتا، آپی۔بابا آفس میں ہیں، ممی سو رہی ہیں۔آ جائیں گی انکے اٹھنے سے پہلے،"مہرنوشا کے

چہرے کی مسکراہٹ ڈھل گئی اور اسکے لہجے کی خوشی غم میں بدل گئی۔اس نے ایک درد بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور پھر کمرے سے نکل گئی۔اندر بیٹھی کشاف اس بات سے ناواقف تھی کہ مہرنو شامال نہیں جا رہی تھی، مگر اپنے دوست کی تلاش پر نکلی تھی۔

*****

رِکشہ تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہا تھا۔اس کے اندر بیٹھی مہرُو، سرخ دوپٹے میں اپنا سر لپیٹے، کھڑکی سے باہر کی بے قابو دنیا کو دیکھ رہی تھی۔اچانک اس کے ہاتھ میں پکڑا فون بج اُٹھا۔اس نے فوراً نظر کا زاویہ بدلا اور فون کی اسکرین پر نظر ڈالی۔

"ہیلو...ہاں حماد، کہاں ہو تم؟"اس کی آواز میں بے چینی تھی۔

"بس پہنچ گیا ہوں میں۔"دوسری طرف سے حماد کی آواز سنائی دی۔

"اوکے،اللہ حافظ۔"

فون بند کرتے ہوئے اس نے گہری سانس لی اور دوبارہ سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔پندرہ منٹ بعد وہ مال کے مرکزی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔اس کے قدم بے صبری سے اندر کی طرف بڑھنے لگے، نظریں کسی مانوس چہرے کی تلاش میں تھیں۔پھر اچانک، وہ ایک

لمبے قد کے نوجوان پر رکی، جس کی سبز آنکھیں کسی کا انتظار کر رہی تھیں۔اس کے بال بے ترتیبی سے کٹ کر اُبھرے ہوئے تھے،اور چہرے پر سنجیدگی کی گہری لکیریں تھیں۔

بھوری آنکھیں جب سبز آنکھوں سے ٹکرائیں،مہرُو کے چہرے پر ایک معصوم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"حماد!" وہ خوشی سے چہک اُٹھیں اور تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگی۔

"آہستہ،مہرُو!" حماد نے نرم لہجے میں کہا، مگر وہ اب اس کے سامنے کھڑی تھی۔اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

حماد شفیق،ایک معروف سیاستدان کا بیٹا،اور ساتھ ہی شاہمیر اور مہرُو کا قریبی دوست تھا۔

"آؤ،بیٹھتے ہیں۔"

حماد نے ارد گرد نظر ڈالی اور ایک قریبی میز کی طرف اشارہ کیا۔دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے،مال کی بھیڑ بھاڑ سے بے نیاز۔

"کیا ہوا،مہرُو؟ تم نے اتنی جلدی بلایا؟" حماد کے لہجے میں فکر اور پریشانی کی جھلک تھی۔

"کچھ کھاؤ گی؟" اُس نے فوڈ کورٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، لیکن مہرُو نے سر نفی میں ہلا دیا۔

حماد نے مینو واپس میز پر رکھا اور سر کرسی کی پشتی سے ٹکاتے ہوئے مہرُو کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں، اب بتاؤ، کیا بات ہے؟" اس بار اس کی آواز میں نرمی اور فکر دونوں جھلک رہی تھی۔

مہرُو نے گہری سانس لی، جیسے وہ اپنے الفاظ کو ترتیب دے رہی ہو۔

"سکندر ٹیکسٹائل کا مالک کون ہے، حماد؟"

یہ سوال غیر متوقع تھا۔ چند لمحے حماد خاموش رہا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی، جیسے وہ صحیح الفاظ چننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر دھیرے سے بولا، "تمہیں پتہ چل گیا؟"

حماد کی نظریں جھک گئیں۔ پانچ مہینے سے جو جھوٹ وہ بول رہا تھا، وہ آج بے نقاب ہو چکا تھا۔

مہرُو نے بغض اس کا چہرہ دیکھا، لیکن کچھ نہیں کہا۔

حماد نے جیب سے فون نکالا اور اسکرین پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد ایک نام مہرُو کے کانوں میں گونجا، اور اس کی سانسیں جیسے تھم گئیں۔

"سلام شاہمیر"!

*****

پانچ ماہ پہلے، وہ رات جب شاہمیر اور احمد نے اپنے والدین کی انجان موت دیکھی، شاہمیر نے شفیق رضوی کو کال کی، جو ایک طاقتور سیاستدان اور نواب خان کا بچپن کا دوست تھا۔ اس وقت، شاہمیر اور احمد حماد کے کمرے میں تھے۔ احمد بستر پر سو رہا تھا، کمبل سے ڈھکا ہوا، جب کہ شاہمیر اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کا سر دیوار سے لگا ہوا تھا، آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا تھا جو مسلسل بہہ رہا تھا۔

اچانک، دروازے کی کھلنے کی آواز آئی، اور حماد اندر آیا، ایک گلاس پانی لیے ہوئے۔ "شاہمیر"، اس نے کہا، دروازہ بند کرتے ہوئے۔ شاہمیر اپنی دنیا میں گم تھا، اس کی انگلیاں احمد کے بالوں میں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ "شاہمیر"، حماد نے دوبارہ کہا، اب وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ حماد نے شاہمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس بار، شاہمیر نے آہستہ سے اپنا سر اٹھایا اور حماد کی آنکھوں میں دیکھا، جو درد سے بھری ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟" حماد نے پیار بھری آواز میں پوچھا۔شاہمیر نے ایک کٹھن مسکراہٹ دی،اس کی آواز بمشکل سنائی دی۔"میں سب کیسے سنبھالوں، حماد؟"اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو بھر آئے،اوراس کی نظر زمین کی طرف جھک گئی۔

"شاہمیر..." حماد نے پھر کہا،اس کی آواز میں ہمدردی تھی۔"اپنی تعلیم کو بھول جا،اپنے والد کے کاروبار کو سنبھال لے،اوراحمد کا خیال رکھنا۔"

یہ الفاظ شاہمیر پر تیر کی طرح لگے۔"میری تعلیم... مطلب... میں مہرنِسا کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا؟"اس کی آواز ٹوٹ چکی تھی،اوراس کی لال آنکھوں نے حماد کے چہرے پر تسلی کی تلاش کی۔حماد نے ہلکی سی سر جھکائی،جو خاموشی سے تصدیق تھی۔

شاہمیر اچانک اٹھ کھڑا ہوا،اس کے جذبات طوفان کی طرح تھے۔"مجھے تھوڑا وقت چاہیے، لیکن ایک بات میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں،"اس نے کہا،اس کی آواز میں لرزش تھی۔حماد اس سے فکرمندی اور حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔"مہرنِسا کو جو کچھ بھی ہوا،مت بتانا۔ اسے میری رہائش یا کانٹیکٹ کا کچھ نہیں پتا،اس لیے بس اسے کہہ دینا کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیرونِ ملک چلا گیا ہوں۔"

حماد کچھ دیر کے لیے ساکت ہو گیا، شاہمیر کی درخواست پر چونک کر۔ "لیکن کیوں، شاہمیر؟" اس کی آواز میں کمی تھی۔ "تم دونوں ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہو۔ تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر کیسے رہو گے؟"

شاہمیر واشروم کی طرف چلنے لگا، لیکن راستے میں رک گیا، اس کا دل تیز دھڑک رہا تھا۔ "رہ لینا اس کے بغیر بھی"، اس نے کہا، اس کی آواز میں ایک خاموش عزم تھا۔ "لیکن میں اسے اپنے قریب نہیں آنے دوں گا۔ میں بہت مصروف ہو جاؤں گا، اور اگر میں یونیورسٹی چھوڑ دوں گا، تو وہ مجھے پھر کبھی نہیں دیکھ سکے گی۔"

اس کے الفاظ اگرچہ پُراعتماد تھے، لیکن ان میں ایک چھپی ہوئی تکلیف تھی، جسے حماد اپنے سینے میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ، چاہے کچھ بھی ہو، مہرنِسا کو آخر کار اس بات کا پتہ چل ہی جائے گا۔ اور یہ آخری بار تھا جب کسی نے شاہمیر نواب کو روتے دیکھا تھا۔

*****

"شاہمیر، میں تمہیں ایک لوکیشن بھیج رہا ہوں، فوراً وہاں پہنچنا۔" حماد کی آواز دوسری طرف سے شاہمیر کے کانوں میں گونج رہی تھی، لیکن اس بار اس میں ایک اجنبی سی شدت

تھی — جیسے کچھ غلط ہونے والا ہو۔ حماد کبھی بھی بغیر کسی وجہ کے اس طرح نہیں بلاتا تھا۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی گھبراہٹ دوڑ گئی، جیسے اندھیروں میں اچانک کسی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو۔ اس نے بغیر ایک پل ضائع کیے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی، کیبن کا دروازہ جھٹکے سے کھولا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ اس وقت، کچھ پل کے لیے وہ مہرنسا کو بالکل بھول گیا — جیسے اس کا دماغ صرف ایک ہی مقصد پر مرکوز ہو: حماد کی بھیجی ہوئی لوکیشن تک پہنچنا۔

جب وہ دیے گئے پتے پر پہنچا، تو اس کے سامنے ایک بڑا شاپنگ مال تھا۔ اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔ "مال؟ حماد یہاں کیوں بلا سکتا ہے؟" شاہمیر نے اپنے آپ سے پوچھا۔ مال کی روشنیوں میں ایک عجیب سی اداسی تھی، جیسے رات کے اندھیروں میں خاموش کہانیاں چھپے بیٹھی ہوں۔ لیکن سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اس کے قدم اپنے آپ ہی انٹری گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ جب وہ اندر آیا، تو فوڈ کورٹ کے آس پاس لوگ چلتے پھرتے نظر آئے۔ دھوپ سے بھری ہوئی جگہ، لیکن شاہمیر کو صرف ایک چہرہ تلاش تھا — حماد۔

دور سے اس نے دیکھا، حماد اس کی طرف دوڑ رہا تھا۔ کچھ عجیب تھا اس کے چہرے پر—فکر یا شرمندگی؟ "حماد!" شاہمیر نے زور سے آواز دی۔ مگر اس کے بولنے سے پہلے ہی، اچانک اس کے راستے میں ایک اور چہرہ آگیا—مہرنسا۔ اس کا دل ایک پل کے لیے رک گیا۔

مہرنسا...

ہلکی سی تیز سانس لیتے ہوئے، اس نے اس کی طرف دیکھا۔ سالوں کی پہچان، بے انتہا دوستی، اور پھر وہ فیصلے جو درمیان میں ایک فاصلہ چھوڑ گئے تھے۔ وہ کچھ کہنے والا تھا، مگر اس سے پہلے—

تھپ! ایک زور کا تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا۔ شاہمیر نے ایک پل کے لیے سانس لینا بھول گیا۔ اس کا ہاتھ آہستہ سے اپنے گرم ہوتے ہوئے گال تک گیا، اور اس کی آنکھیں بے چینی سے مہرنسا کے چہرے پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں صرف غصہ نہیں تھا—درد تھا۔

"سوری،" بس یہ ایک لفظ اس کے منہ سے نکل سکا۔ مہرنسا کا غصہ ابھی بھی اس کے چہرے پر لکھا تھا۔ "تم انتہائی بے غیرت، بتمیز اور دھوکہ باز انسان ہو، شاہمیر!" اس کے لفظوں

میں صرف غصہ نہیں، شکوہ بھی تھا۔ "تمہیں ذرا بھی یاد نہیں آیا کہ کسی کا انتظار کس قدر تکلیف دے سکتا ہے؟"

شاہمیر نے ہلکی سی ٹھنڈی سانس لی۔ تو یہ بات تھی۔ وہ سمجھ گیا۔ وہ معصومیت سے مسکرایا، جیسے کوئی بچپن کا دوست مستی کر رہا ہو۔ "یار، کیا ہے؟ پانچ مہینے بعد مل رہے ہیں، اتنی دیر تک نہ ملنے پر بھی ایک تھپڑ مار دیا؟ اب آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں نہ؟"

ایک پل کے لیے، صرف خاموشی رہی۔ پھر، حماد پہلے ہنسا، پھر مہرنسا بھی۔ اور بس، اتنے مہینوں کا فاصلہ ایک پل میں مٹ گیا۔ دوستی عجیب رشتہ ہوتی ہے — کبھی لیلا مجنوں کی طرح بے چارے ہو جاتے ہیں، اور کبھی سالوں بعد مل کر اس طرح مسکراتے ہیں، جیسے کل کی ہی بات ہو۔

وہ تینوں اب ایک ماضی کی طرف جا رہے تھے، "شاہمیر، آج کی تاریخ کیا ہے؟" حماد نے اپنے سامنے بیٹھے شاہمیر سے پوچھا۔

"تیسرا ستمبر۔" شاہمیر کو جیسے کچھ یاد آیا تھا اور وہ جھٹکے سے مہرنسا کی طرف مڑا، "ہیپی برتھ

ڈے مہرُو۔"

مہرنسا نے اسے مسکرا کر دیکھا، "!Thanks, buddy"

*****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب 3

پچھلے کچھ ہفتوں سے مہرونِسا کا ڈپریشن اور اینگزائیٹی کم ہونے لگی تھی، اُس کو حمد اور شاہمیر کا واپس ملنا کسی تحفے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ پچھلے پانچ مہینے وہ صرف ایک خیال میں مبتلا رہتی تھی کہ شاہمیر اچانک یوں کیسے چلا گیا اور نواب خان کبھی بھی نواز کو بغیر بات کیے نہیں جایا کرتے تھے۔ وہ لوگ بچپن کے دوست نہ سہی مگر ان دونوں کے اندر خاصی بے تکلفی تھی، وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے اور بہت جلد بزنس پارٹنرز بھی بن گئے تھے۔ نواز خان اور رئیسہ خان کو بہت خاموشی سے اس دنیا سے رخصت کر دیا گیا تھا اور شاہمیر نے اپنے دفتر میں یہی بتایا تھا سب کو کہ کچھ مسائل کی وجہ سے اُس کے والدین ملک چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ مگر مہرونِسا سے واپس ملنے کے بعد اُسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ معاملہ اتنا چھوٹا نہیں تھا جتنا اُسے لگا تھا۔ مہرونِسا کی سالگرہ کے اگلے دن، پانچ مہینے بعد شاہمیر پہلی بار نواب ہاؤس آیا تھا اور اُسے ان پانچ مہینوں میں پہلی بار شاہمیر کو محبت اور پیار ملا تھا۔ شاہمیر کا یوں واپس زندگی میں آنا صرف مہرونِسا کے لیے ہی نہیں بلکہ خود شاہمیر کے لیے بھی بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔ اب پچھلے ایک مہینے سے تینوں حمد، مہرونِسا اور شاہمیر الگ الگ جگہوں پر ملتے تھے۔ آج بھی

مہرونِسا کمرے میں بیٹھی کانوں میں ہیڈ فون لگا کر لیتی تھی جب کسی رنگ کی آواز اُس کے کانوں میں گونجنے لگی اور اُس نے اپنا فون اُٹھا کر اپنی آنکھوں کی طرف کیا، کالر آئی ڈی دیکھ کر مہرونِسا کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، اُس نے کال ڈسکنیکٹ ہونے سے پہلے اُٹھا کر کانوں سے لگالی "السلام علیکم شاہمیر صاحب"۔ دوسری طرف اپنی ریوولونگ چیئر سے پشت لگائے بیٹھا شاہمیر اپنے کانوں سے فون لگا کر بیٹھا تھا، مہرونِسا کے اس تبصرے پر اُس کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ آئی، وہ اُس کے طنزیہ انداز کا اب عادی سا ہو چکا تھا، "وعلیکم السلام مہرُو بی بی"۔ مہرونِسا کی مسکراہٹ اُس کے اس طنز پر اور گہری ہوئی۔ دوستی، محبت، عشق، یہ تینوں لفظ ان دونوں کے رشتہ میں نہیں تھے، ان کا رشتہ اس سے زیادہ گہرا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور رہ کر بھی ایک دوسرے کا انداز، ایک دوسرے کے چہرے کے تاثرات سے بخوبی باخبر رہتے تھے۔ مہرونِسا کے چہرے پر سجی مسکراہٹ اور گہری ہوئی، اور شاہمیر اس کے اگلے جملے سے یہ بات جان گیا تھا "شاہمیر صاحب آپ بتانا پسند کریں گے اس فون کال کی وجہ؟" مہرونِسا کا لہجہ ابھی بھی طنزیہ تھا، مگر شاہمیر کو اس بات سے غرض نہیں تھی، اس کے لیے کافی تھا کہ اُس کی زندگی میں چھایا اندھیرا اب بہت حد تک کم ہو چکا تھا اور اس کی وجہ بھی وہ عورت تھی جو کال کی دوسری جانب طنز کر کے بول رہی تھی۔ شاہمیر نے ایک گہری سانس لی اور ایک بار پھر بولنے لگا "میں ملنا چاہتا ہوں تم سے اُسی

ریسٹورنٹ میں جہاں تمہیں آئس کریم ٹریٹ دی تھی جب ہم پہلی بار جھگڑے تھے"۔
مسکراہٹ اس بار دونوں کے چہروں پر گہری ہوئی اور ایک منظر سے دونوں کو حال سے ماضی کی یاد آگئی، سولہ سالہ شاہمیر نے پندرہ سالہ مہروِنسا کا ایک پروجیکٹ خراب کر دیا تھا، اور مہروِنسا اس بات پر بہت ناراض ہوئی تھی، اُسے منانے کے لیے شاہمیر اُس کے گھر آیا تھا، "سوری نہ مہرُو" شاہمیر کی آواز صوفے پر روٹھے ہوئے مہروِنسا کے کانوں سے جا لگی، "نہیں چاہیے تمہاری سوری، تم اندھے ہو یا پھر آنکھوں میں بٹن لگے ہیں" مہروِنسا غصے سے بولی تھی مگر چلائی نہیں تھی، وہ اس وقت کبھی نہیں چلائی سکتی تھی، اس کا دل و دماغ اُسے کبھی چیخنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ شاہمیر ہنسنے لگا، مہروِنسا کی آنکھیں مسکرائی تھیں مگر اس کے چہرے پر غصہ صاف ظاہر تھا "میں ایک شرط پر معاف کروں گی"۔ مہروِنسا نے اپنے پاؤں کو صوفے سے نیچے کرتے ہوئے شاہمیر کے ہنسنے وجود پر نظریں جما کر کہا تھا، مگر اس سے پہلے مہروِنسا کوئی الفاظ اپنے ہونٹوں سے کہتی شاہمیر نے اس کی آنکھیں پڑھ لی تھیں "دے دوں گا آئس کریم"۔ مہروِنسا دم بخود اسے دیکھتی رہ گئی، یہ چیز اس کے لیے نئی نہیں تھی وہ اکثر اس کی آنکھیں یوں پڑھ لیا کرتا تھا، یوں اس کا اس کی آنکھیں پڑھ لینا، وہ عادی ہو گئی تھی۔ "تمہیں یاد ہے؟" "ہاں یاد ہے وہ ناراضگی بھی" شاہمیر نے مہروِنسا کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا تھا، وہ پہلے حیران ہوا کرتی تھی مگر اب اس کے لیے یہ نیا نہیں رہا تھا۔ "میں تیار ہو کر آتی ہوں، تم

لوگ مجھے لو گے ؟"مہر و نِسا اب بیڈ سے اٹھنے لگی تھی جب اس نے ایک دم اس سے پوچھا "نہیں، میں حمد کو فون کر کے کہتا ہوں تم اس کے ساتھ آجانا، پھر واپسی میں تمہیں ڈراپ میں کر دوں گا" شاہمیر نے سیدھا سیدھا جواب دیا۔ مہر و نِسا نے "او کے اللہ حافظ" کہہ کر فون رکھ دیا، اب وہ اٹھ کر تیار ہونے جا رہی تھی، ایک خبر جو وہ دونوں کو ساتھ دینے چاہ رہی تھی، بالآخر وہ دینے کا موقع اسے مل گیا تھا۔

****

آدھے گھنٹے بعد، مہر و نِسا تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ نیلی جینز اور سفید قمیض پہنے ہوئے تھی، اور اس کی گردن میں دوپٹہ لپٹا تھا۔ اس کے بال اس کی پشت پر گرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر نیچے جانے لگی تھی۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی، اس کا فون بجنے لگا۔ حماد کی کال اس کے فون کی سکرین پر واضح تھی۔ اس نے فون اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔ رسمی سلام و دعا کے بعد مہر و نِسا نے بڑے خوشگوار لہجے میں حماد سے اس کی آمد کے بارے میں پوچھا، "حماد کتنی دیر میں آؤ گے تم؟" حماد نے اسے کال بھی اس لیے کی تھی کہ وہ اپنی آمد کے بارے میں بتا سکے، "میں بس پہنچ گیا ہوں، تم باہر آجاؤ۔" "اچھا" کہہ کر مہر و نِسا نے کال کاٹ دی۔ اب وہ سیڑھیاں اُتر کر باہر جانے لگی تھی۔ جب اس کی نظر اس

کی ماں کے کمرے پر پڑی۔"امی کو بتا دیں میں" مہرونِسا نے خود سے کہا اور پھر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پچھلے ایک مہینے سے مہرونِسا میں آنے والی تبدیلی نے نسرین اور نواز دونوں کو بہت حد تک مطمئن کیا تھا۔ وہ لوگ اس بات سے بے خبر نہیں تھے کہ مہرونِسا شدید ڈپریشن اور اینگزائٹی کا شکار ہے، مگر اس کے باوجود وہ لوگ اپنے مصروف شیڈول میں سے اس کے علاوہ اپنے باقی بچوں کے لیے وقت نکال سکتے تھے، اور اس بات نے مہرونِسا کو کافی تکلیف دی تھی۔ مگر اس نے پھر خود ہی ایک تھراپسٹ سے رابطہ کر کے سیشنز کنڈکٹ کروائے تھے، جس کے بارے میں ہر شخص بے خبر تھا۔ وہ اب دروازہ کھول کر اندر جا رہی تھی۔ اس نے اپنی ماں کو بستر پر لیٹے سکون کی نیند میں سوتے ہوئے دیکھا۔ وہ الٹے قدموں واپس باہر آ گئی۔"سکینہ!" مہرونِسا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے گھر کی ایک ملازمہ کو آواز دی۔"جی بی بی" ایک نوجوان لڑکی کچن سے باہر اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔"میں باہر جا رہی ہوں، شاہمیر اور حماد صاحب کے ساتھ، امی کو بتا دینا۔" مہرونِسا نے اسے ہدایت دیتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ جب تک باہر آئی، حماد کی گاڑی پورچ میں آ چکی تھی اور وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی طرف جانے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں سڑک پار گاڑی چلاتے ہوئے ریسٹورنٹ کی طرف جا رہے تھے، وقفے وقفے

سے شاہمیر سے بھی رابطہ کرتے ہوئے۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ ان کے پہنچنے سے پہلے وہ وہاں موجود ہو گا اور دونوں کی پسندیدہ ڈشز بھی آرڈر کر چکا ہو گا۔

****

ہر جگہ لوگوں کی حالتِ حال تھی، ہوا میں کھانے کی خوشبو بسی تھی، ہر سو لوگوں کے چیخنے کی آواز گونج رہی تھی، مگر ان سب سے بے نیاز وہ کونے میں لگی ایک میز پر بیٹھا تھا، باہر سے نظر آنے والا منظر بہت پر کشش تھا، رات کا اندھیرا آسمان میں پھیلنے لگا تھا جیسے جیسے سورج نیچے کی طرف ڈھلنے لگا تھا۔ وہاں بیٹھا شاہمیر ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھے بار بار دوسرے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈال لیتا۔ اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا، اس کی آخری ملاقات مہرنسا سے پچھلے ہفتے کی شام کو ہوئی تھی جب مہرنسا اتفاقاً تیز رفتار میں چلتی ہوئی اس سے ٹکرا گئی تھی، مال میں لوگوں کا ہجوم تھا، وہاں سیفائر پر سیل لگی تھی اور ہر لڑکی کی طرح مہرنسا بھی وہاں موجود کپڑے خرید رہی تھی۔ اپنی شاپنگ مکمل کر کے وہ باہر نکل رہی تھی، اس کا دماغ کسی اور دنیا میں گم تھا، جب اچانک کوئی سخت چیز اس کے بازو سے ٹکرا گئی تھی، اور مہرنسا نے اپنی بھری آنکھیں اٹھائی تھیں، اس کے سامنے ایک لمبا دراز قد آدمی کھڑا تھا جس کے بال بے ترتیب اور ماتھے پر پھیلے تھے، اس کے ہاتھ میں ایک پانچ سالہ بچے کی گرفت تھی۔ وہ کالے

پینٹ پر سفید شرٹ پہنے شخص نے اپنی آنکھیں اٹھا کر اس عورت پر نظر ڈالی جس کے بھورے بال پونی میں بندھے تھے اور وہ خود ایک کالے جوڑے میں ملبوس، ایک کندھے پر دوپٹہ ڈالے اور دوسرے پر بیگ لٹکائے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ بھوری آنکھیں، کالے آنکھوں سے ٹکرا رہی تھیں اور ہر چیز اپنی جگہ پر تھم گئی تھی، ان کی آنکھوں میں ایک الگ دنیا بستی تھی، لوگ ان دونوں سخت وجود کے پاس سے گزر رہے تھے، آتے جاتے لوگوں کی نظریں ان کے لیے بے معنی تھیں، اور جھٹکے سے دونوں ٹرانس سے باہر آئے تھے "مہرو" ایک مردانہ آواز اس بھوری آنکھوں والی عورت کے کانوں سے ٹکرائی تھی، اس کے ارد گرد پھیلا منظر جو کچھ دیر پہلے تھم گیا تھا جیسے واپس چلنے لگا تھا، اس نے کالے آنکھوں سے نظریں گھمائیں، "شاہمیر" اس نے سامنے آتے جاتے لوگوں پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا، جب کسی نے اس کے پیروں کے گرد اپنے ہاتھ لپیٹے تھے، کوئی ننھا سا وجود تھا جس نے اسے اپنے گرفت میں لیا تھا، مہرنسا جس کی نظریں لوگوں کے ہجوم پر مرکوز تھیں جیسے تھکی ہوئی، اس نے اس ننھے سے وجود پر نظریں ڈالی جس نے اسے اپنی گرفت میں لیا تھا، ایک گہری مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی اور اس نے اپنا ہاتھ اس چھوٹے سے وجود کے سر پر پھیرا "احمد" وہ اب ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے خود کو آزاد کر رہی تھی۔ وہ ہاتھ جو کچھ پل پہلے مہرنسا کے گرد پھیلے تھے اب وہ مہرنسا کے ہاتھ میں تھے۔ مہرنسا نے نیچے تھوڑا جھک کر

ایک بوسہ احمد کے گال پر دیا، احمد کا چہرہ کھل اُٹھا "آپ کیسے ہیں آپ" احمد کا جملہ بہت خوش گوار لہجے میں آیا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گاڑی تھی، "میں ٹھیک ہوں میری جان آپ کیسے ہیں؟" مہر نسا نے بہت محبت سے پوچھا یہ محبت بھی صرف ایک بھائی کے نظر سے نہیں تھی، اللہ نے اگر اسے دو اولادیں اس کے بھائی بہن کی شکل میں دی تھیں تو تیسری احمد کی شکل میں نوازا تھا۔ ایک الگ سا جذبہ تھا جو مہر نسا کے دل میں پھیل رہا تھا، جب اس نے پہلی بار احمد کو دیکھا تھا، ایک بہن کے رشتہ سے باہر نکل کر، ایک ماں کی محبت سے تھوڑی کم۔

"شاہمیر" کوئی آواز دور سے آئی تھی، "شاہمیر" آواز ایک بار پھر آئی تھی مگر اس بار فاصلہ زیادہ دور نہیں تھا، بہت قریب سے آئی تھی۔ کوئی اسے ہلا رہا تھا، اچانک شاہمیر کی آنکھیں کھلیں اس نے اپنا سر اٹھایا جو ریلنگ پر پڑے ہاتھ پر رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کب اندھیرا چھایا اور وہ کب نیند میں ڈوب گیا اسے کچھ یاد نہیں جیسے کوئی منظر اس کے دماغ سے مٹا دیا گیا ہو۔ اس کی نظریں اس مکراتی چہرے پر پڑی جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں فکر تھی مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ، اور شاہمیر کو لمحہ نہیں لگا تھا واپس حقیقت میں آنے میں، وہ آنکھیں ہی تو تھیں جن کو دیکھنے کے لیے وہ اتنا بے صبر ہو رہا تھا اور بالآخر وہ اس کے سامنے تھی۔ حماد جو اس کے سر پر کھڑا تھا، اسے جگا رہا تھا، اب اس کے برابر میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا "مہرو بیٹھ جاؤ، ہمارے شہزادے شاہب کی صبح ہو گئی ہے" سامنے پڑا

مینواب حماد کے ہاتھ میں تھا،اس کا لہجہ تنزیا تھا"چپ کرو تم"شاہمیر نے چڑتے ہوئے انداز میں کہا، جبکہ مہرنسا خاموشی سے شاہمیر کے سامنے پڑی ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ بھوری آنکھیں کالے آنکھوں پر ہی جمی تھیں۔ان کے بیٹھتے ہی ویٹر کھانا سرو کرنے لگا تھا، حماد نے اپنے سامنے سجی ایک پلیٹ پر نظر ڈالی ہی تھی کہ ہاتھ میں پکڑا مینو ویٹر کو دے دیا، ویٹر جا چکا تھا، مگر وہ دونوں اب بھی ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے ہوئے تھے جب حماد نے اپنا گلا کھنگالا"کھانا کھالو تم دونوں شہزادے شہزادی"ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کی نظریں جدا ہوگئی تھیں۔آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا اور کھانا کھا کر اب وہ لوگ اپنی آئس کریمز کا انتظار کر رہے تھے۔آسمان میں اب مکمل تاریکی پھیل چکی تھی جب ٹیبل پر پڑا مہرنسا کا فون بجنے لگا تھا،اس نے ایک نظر اسکرین پر شو ہوتے وقت پر ڈالی"سات بج گئے ہیں"مہرنسا نے خود کو چلانے سے روکا۔"جی میری بی بی سات بج گئے ہیں، جب میں نے آپ کو کال کی تھی تو وقت 4:30 تھا، آپ کو تیار ہونے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا مگر باہر آتے آتے آپ شاید لیٹ ہو گئی تھیں،اس کے بعد آپ کے گھر سے یہاں منال تک کا راستہ ایک گھنٹے کا ہے، یعنی آپ لوگوں کو یہاں 5:30 سے 5:50 کے درمیان یہاں موجود ہونا چاہیے تھا"شاہمیر تنزیا انداز میں وقفے وقفے سے دونوں مہرنسا جو مسکراتے چہرے مگر شاک سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے اور حماد جو شاہمیر کی باتوں کو سن کر ان سنی کر رہا تھا"مگر راستے میں

ٹریفک تھا اور آپ کو حسبِ عادت گول گپے کا اسٹال مل گیا تھا تو 30 سے 40 منٹ آپ نے وہاں گزارے اور رہ سہ کا وقت جو بچا تھا وہ یہاں آنے اور کھانے میں آپ نے گزار دیا"۔ شاہمیر اپنی تقریر ختم کر چکا تھا اور آن اس وقت ان کی آئس کریمز بھی آ چکی تھیں۔ خاموشی کی لہر اب اس ٹیبل پر پھیل گئی تھی جب ایک ہنکہ ہوا میں گونجا تھا، "وہ شاہمیر "مہر نسا اپنے چمچ سے آئس کریم کھا رہی تھی "تم ویسے بہت کمینے ہو، نو ڈاؤٹ "ایک تنزیا جملہ حماد کے منہ سے بھی نکلا تھا، "اور کوئی لقب باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی دے دو تم دونوں "شاہمیر نے غصے بھری انداز میں کہا تھا، وہ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے صرف گالیاں کھا رہا تھا، مگر اسے صرف مہر نسا کی گالیاں قبول تھیں، حماد کا کہنا اسے بہت کھل رہا تھا۔ خاموشی کی ایک تہہ پھر پھیل گئی تھی جب مہر نسا کی سنجیدہ آواز ان دونوں کے کانوں سے ٹکرائی "مجھے ایک بات بتانی ہے "حماد اور شاہمیر جو خاموشی سے اپنی آئس کریمز کھانے میں مصروف تھے، رک گئے، آئس کریم پر چلتا ہاتھ بھی اپنی جگہ ٹھہر گیا، سوالیہ نظریں سے دونوں نے مہر نسا کو دیکھا وہ جانتی تھی وہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں "میں یونیورسٹی سے ڈراپ کر کے آؤٹ آف کنٹری پڑھنے جا رہی ہوں "کوئی خوف، ڈر اور بہت سے جذبات شاہمیر کے اندر سے ہو کر گزرے تھے۔ وہ جانتا تھا مہر نسا کا خواب تھا وہ باہر پڑھنے جائے مگر وہ اس کو اب اپنی نظر سے یوں اجھالتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ "کہاں ؟"شاہمیر نے ہمت کر کے پوچھا تھا، حماد بس خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا

تھا" دی کولمبیا یونیورسٹی نیویارک آن اسکالرشپ "مہرنسا نے اپنی نظریں نہیں ملائیں تھیں، وہ جانتی تھی شاہمیر کیا سوچ رہا ہو گا، مگر شاہمیر کی طرف سے آنے والا جملہ ایسا تھا جس کی وہ توقع نہیں کر رہی تھی "میں بھی چلوں گا پڑھنے" یہ نہ مشورہ تھا، نہ کوئی جلد بازی کا ارادہ یہ اس کا فیصلہ تھا۔ حماد اور مہرنسا دونوں نے حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا "تم مگر کیسے ؟" سوال مہرنسا کی جگہ حماد نے کیا تھا، مہرنسا کسی مجسمے کی جگہ اپنی جگہ جام گئی تھی "میں وہاں سے بھی کمپنی سنبھال سکتا ہوں، کچھ عرصے کی بات ہو گی "شاہمیر نے لاپرواہی سے جواب دیا تھا" یہ اتنا آسان نہیں ہو گا شاہمیر، احمد کا کیا؟" اس بار بھی سوال حماد کی طرف سے ہی آیا تھا" وہ بھی میرے ساتھ چلے گا، کونسی بڑی بات ہے، چار پانچ سال کی بات ہے، یونیورسٹی پھر ڈگری واپس آجائیں گے پھر "۔" مگر میں تو ہمیشہ کے لیے سب چھوڑ کر وہاں جا رہا ہوں "مہرنسا نے پہلی بار ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی تھی، شاہمیر کچھ نہ کہہ سکا "میں ہمیشہ کے لیے چلوں گا پھر "دیوانگی تھی جو شاہمیر کے سر پر سوار تھی۔ "حماد تو بھی چل، ساتھ "اس بار شاہمیر نے اپنے برابر میں بیٹھے حماد کو کہا، اس نے صرف نظریں اٹھا کر اسے دیکھا" ہاں ٹھیک ہے، ہم پانچوں چلیں گے "فیصلہ تھا یا مشورہ جو مہرنسا نے دیا تھا" میں سوچوں گا" لہجہ بہت سنجیدہ تھا، حماد وہ اب آئس کریم کھانے میں مشغول تھا۔ آئس کریم ختم ہو چکی تھی، بل کی ادائیگی بھی ہو گئی تھی "ایک موقع اور ملا ہے حماد، چل نہ چلیں گے

پڑھنے "حماد اور شاہمیر دونوں باہر اکیلے تھے جب کہ مہرنسا کچھ پل پہلے ہی واشروم ہاتھ دھونے کے لیے اُٹھ چکی تھی" بابا نہیں مانیں گے "حماد کا لہجہ افسوس والا تھا"میں مانوں گا" حماد جانتا تھا وہ شاہمیر سے نہیں لار سکتا،اس نے ہتھیار ڈال دیے "ٹھیک ہے "حماد نے مسکراتے ہوئے کہا،وہ جانتا تھا اس کا باپ اسے شاہمیر کے بغیر بھی اجازت دے دے گا۔

****

ہر جگہ لوگوں کی ہلچل تھی،ہوا میں کھانے کی خوشبو بسی تھی،ہر سو لوگوں کی چیخنے کی آواز گونج رہی تھی،مگر ان سب سے بے نیاز وہ کونے میں لگی ایک میز پر بیٹھا تھا۔باہر سے نظر آتا منظر بہت پُر کشش تھا،رات کا اندھیرا آسمان میں پھیلنے لگا تھا جیسے جیسے سورج نیچے کی طرف ڈھلنے لگا تھا۔وہاں بیٹھا شاہمیر ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھے بار بار دوسرے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈال لیتا۔اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا،اس کی آخری ملاقات مہرونِسا سے پچھلے ہفتے کی شام کو ہوئی تھی جب مہرونِسا اتفاقاً تیز رفتار میں چلتی ہوئی اس سے ٹکرا گئی تھی،مال میں لوگوں کا ہجوم تھا،وہاں سیفائر پر سیل لگی تھی اور ہر لڑکی کی طرح مہرونِسا بھی وہاں پر موجود کپڑے خرید رہی تھی۔اپنی شاپنگ مکمل کر کے وہ باہر نکل رہی تھی،اس کا دماغ کسی اور دنیا میں گم تھا،جب اچانک کوئی سخت چیز اس کے بازو سے ٹکرا گئی،اور مہرونِسا نے اپنی بھری

آنکھیں اٹھائیں،اس کے سامنے ایک لمبا دراز آدمی کھڑا تھا جس کے بال بے ترتیب اور ماتھے پر پھیلے ہوئے تھے،اس کے ہاتھ میں ایک پانچ سالہ بچے کی گرفت میں تھے۔وہ کالے ٹراوزر پر سفید شرٹ پہنے شخص نے اپنی آنکھیں اٹھا کر اس عورت کو دیکھا جس کے بھورے بال پونی میں بندھے تھے اور وہ خود ایک کالے جوڑے میں ملبوس،ایک کندھے پر دوپٹہ ڈالے اور دوسرے طرف بیگ لٹکائے اسے دیکھ رہی تھی۔بھوری آنکھیں کالے آنکھوں سے ٹکرا رہی تھیں اور ہر چیز اپنی جگہ پر تھم گئی تھی،ان کی آنکھوں میں ایک الگ دنیا بست تھی، لوگ ان دونوں سخت وجود کے پاس سے گزرتے جا رہے تھے،آتے جاتے لوگوں کی نظریں ان کے لیے بے معنی تھیں،اور جھٹکے سے دونوں ٹرانس سے باہر آ گئے تھے۔

مہرُو"ایک مردانہ آواز اس بھوری آنکھوں والی عورت کے کانوں سے ٹکرا گئی،اس کے ارد" گرد پھیلا منظر جو کچھ دیر پہلے تھم گیا تھا جیسے واپس چلنے لگا تھا،اس نے کالے آنکھوں سے نظریں چرائی،"شاہمیر"اس نے سامنے آتے جاتے لوگوں پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا،جب کسی نے اس کے پیروں کے گرد اپنے ہاتھ لپیٹ لیے تھے،کوئی ننھا سا وجود تھا جس نے اسے اپنی گرفت میں لیا تھا،مہرِ نسا جس کی نظریں لوگوں کے ہجوم پر مرکوز تھیں جیسے دھک کی، اس نے اس ننھے سے وجود پر نظریں ڈالیں جس نے اسے اپنی گرفت میں لیا تھا،ایک گہری

مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی اور اس نے اپنا ہاتھ اس چھوٹے سے وجود کے سر پر پھیرا۔ "احمد" وہ اب ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے خود کو آزاد کر رہی تھی۔ وہ ہاتھ جو کچھ پل پہلے مہر ونِسا کے گرد تھے اب وہ مہر ونِسا کے ہاتھ میں تھے۔ مہر ونِسا نے نیچے تھوڑا جھک کر ایک بوسہ احمد کے گال پر دیا، احمد کا چہرہ کھل اٹھا "آپ کیسی ہیں آپ؟" احمد کا جملہ بہت خوشگوار لہجے میں آیا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گاڑی تھی، "میں ٹھیک ہوں میری جان آپ کیسے ہیں؟" مہر ونِسا نے بہت محبت سے پوچھا، یہ محبت بھی صرف ایک بھائی کے نظر سے نہیں تھی، اللہ نے اگر اسے دو اولادیں اس کے بھائی بہن کی شکل میں دی تھیں تو تیسری احمد کی شکل میں نوازدی گئی تھی۔ ایک الگ ساجذبہ تھا جو مہر ونِسا کے دل میں پھیل رہا تھا، جب اس نے پہلی بار احمد کو دیکھا تھا، ایک بہن کے رشتہ سے باہر کر، ایک ماں کی محبت سے تھوڑا کم۔

شاہمیر" کوئی آواز دور سے آئی تھی، "شاہمیر" آواز ایک بار پھر آئی تھی مگر اس بار فاصلہ " زیادہ دور نہیں تھا، بہت قریب سے آئی تھی۔ کوئی اسے ہلا رہا تھا، اچانک شاہمیر کی آنکھیں کھولیں، اس نے اپنا سر اٹھایا جو ریلنگ پر پھیلا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کب اندھیرا چھایا اور وہ کب نیند میں ڈوبا، اسے کچھ یاد نہیں جیسے کوئی منظر اس کے دماغ سے مٹایا گیا ہو۔

اس کی نظریں اس مختصر کے چہرے پر پڑی جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا،اس کی آنکھوں میں فکر تھی مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ،اور شاہمیر کو لمحہ نہیں لگا تھا واپس حقیقت میں آنے میں،وہ آنکھیں ہی تو تھیں جن کو دیکھنے کے لیے وہ اتنا بے صبر ہو رہا تھا اور بالآخر وہ اس کے سامنے تھی۔ حمد جو اس کے سر پر کھڑا تھا اسے جگا رہا تھا،اب اس کے برابر میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔"مہرُو بیٹھ جاؤ،ہمارے شہزادے شاہب کی صبح ہو گئی ہے"سامنے پڑا مینو اب حمد کے ہاتھوں میں تھا،اس کا لہجہ تنزیا تھا۔"چپ کرو تم"شاہمیر نے چڑتے ہوئے انداز میں کہا، جب کہ مہرونِسا خاموشی سے شاہمیر کے سامنے پڑی ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ بھوری آنکھیں کالے آنکھوں پر ہی جمی تھی۔

ان کے بیٹھتے ہی ویٹر کھانا سرو کرنے لگا تھا،حمد نے اپنے سامنے سجی ایک پلیٹ پر نظر ڈالتے ہی ہاتھ میں پکڑا مینو ویٹر کو دے دیا،ویٹر جا چکا تھا،مگر وہ دونوں اب بھی ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے تھے جب حمد نے اپنا گلا کھنکھارا"کھانا کھاؤ تم دو شہزادے شہزادی"ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کی نظریں جدا ہو گئی تھیں۔ آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا اور کھانا کھا کر اب وہ لوگ اپنی آئس کریمز کا انتظار کر رہے تھے۔ آسمان میں اب مکمل تاریکی پھیل چکی تھی جب ٹیبل پر پڑا مہرونِسا کا فون بجنے لگا تھا،اس نے ایک نظر اسکرین پر شو ہوتے وقت

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پڑ ڈالی "سات بج گئے "مہرو نِسا نے خود کو چلانے سے روکا۔ "جی میری بی بی سات بج گئے۔ جب میں نے آپ کو کال کی تھی تو وقت 4:30 تھا آپ کو تیار ہونے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا مگر باہر آتے آتے آپ شاید لیٹ ہو گئی تھیں، اس کے بعد آپ کے گھر سے یہاں مونال تک کا راستہ ایک گھنٹے کا ہے یعنی آپ لوگوں کو یہاں 5:30 سے 5:50 کے درمیان یہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔ "شاہمیر تنزیہ انداز میں وقفے وقفے سے دونوں مہرو نِسا جو مسکراتے چہرے مگر شاک سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور حمد جو شاہمیر کی باتوں کو سن کر ان سنی کر رہا تھا۔ "مگر راستے میں ٹریفک تھا اور آپ کو حسب عادت گول گپے کا اسٹال مل گیا تھا تو 30 سے 40 منٹ آپ نے وہاں گزارے اور رہ سے جو وقت بچا تھا وہ یہاں آنے اور کھانے میں آپ نے گزار دیا۔ "شاہمیر اپنی اسپیچ ختم کر چکا تھا اور آن اسی وقت ان کی آئس کریمز بھی آچکی تھیں۔ خاموشی کی لہر اب اس ٹیبل پر پھیل گئی تھی جب ایک قہقہ ہوا میں گونجا تھا، "وہ شاہمیر "مہرو نِسا اپنے چمچ سے آئس کریم کھا رہی تھی "تم ویسے بہت کمینے ہو، نو ڈاؤٹ "ایک تنزیہ جملہ حمد کے منہ سے بھی نکلا تھا، "اور کوئی لقب باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی دے ڈالو تم دونوں "شاہمیر نے غصے والے انداز میں کہا تھا وہ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے صرف گالیاں کھا رہا تھا، مگر اسے صرف مہرو نِسا کی گالیاں قبول تھیں، حمد کا کہنا اس کو بہت برا لگ رہا تھا۔ خاموشی کی ایک تہہ پھر پھیل گئی تھی جب مہرو نِسا کی سنجیدہ آواز ان دونوں کے کانوں

سے ٹکرا گئی "مجھے ایک بات بتانی ہے" حمد اور شاہمیر جو خاموشی سے اپنی آئس کریمز کھانے میں مصروف تھے، رک گئے، آئس کریم پر چلتا ہاتھ بھی اپنی جگہ ٹھہر گیا، سوالیہ نظریں سے دونوں نے مہروِنسا کو دیکھا وہ جانتی تھی وہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں۔

میں یونیورسٹی سے ڈراپ کر کے آؤٹ آف کنٹری پڑھنے جا رہی ہوں" کوئی خوف، ڈر اور" بہت سے جذبات شاہمیر کے اندر سے ہو کر گزرے تھے۔ وہ جانتا تھا مہروِنسا کا خواب تھا وہ باہر پڑھنے جائیں مگر وہ اس کو اب اپنی نظریں سے یوں اجھل ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"کہاں؟" شاہمیر نے ہمت کر کے پوچھا تھا، حمد بس خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ "دی کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک آن اسکالر شپ" مہروِنسا نے اپنی نظریں نہیں ملائی تھیں، وہ جانتی تھی شاہمیر کیا سوچ رہا ہو گا، مگر شاہمیر کی طرف سے آنے والا جملہ ایسا تھا جس کی وہ بھی توقع نہیں کر رہا تھا "میں بھی چلوں گا پڑھنے" یہ نہ مشورہ تھا، نہ کوئی جلد بازی کا ارادہ یہ اس کا فیصلہ تھا۔ حمد اور مہروِنسا دونوں نے حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "تم مگر کیسے؟" سوال مہروِنسا کی جگہ حمد نے کیا تھا، مہروِنسا کسی مجسمے کی جگہ اپنی جگہ جام گئی تھی "میں وہاں سے بھی کمپنی سنبھال سکتا ہوں، کچھ عرصے کی بات ہو گی" شاہمیر نے لاپروائی سے جواب دیا تھا "یہ اتنا آسان نہیں ہو گا شاہمیر، احمد کا کیا؟" اس بار بھی سوال حمد کی طرف سے ہی آیا

تھا" وہ بھی میرے ساتھ چلے گا، کون سی بڑی بات ہے، چار پانچ سال کی بات ہے، یونیورسٹی پھر ڈگری واپس آجائیں گے پھر۔"" مگر میں تو ہمیشہ کے لیے سب چھوڑ کر وہاں جارہا ہوں" مہروِنسا نے پہلی بار دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی تھی، شاہمیر کچھ نہ کہہ سکا" میں ہمیشہ کے لیے چلوں گا پھر" دیوانگی تھی جو شاہمیر کے سر پر سوار تھی۔

حمد تو بھی چل ساتھ "اس بار شاہمیر نے اپنے برابر میں بیٹھے حمد کو کہا، اس نے صرف" نظریں اٹھا کر اسے دیکھا" ہاں ٹھیک ہے ہم پانچوں چلیں گے "فیصلہ تھا یا مشورہ جو مہروِنسا نے دیا تھا" میں سوچوں گا" لہجہ بہت سنجیدہ تھا، حمد کا وہ اب آئس کریم کھانے میں مصروف تھا۔ آئس کریم ختم ہو چکی تھی، بل کی ادائیگی بھی ہو گئی تھی "ایک موقع اور ملا ہے حمد چل نہ چلیں پڑھنے "حمد اور شاہمیر دونوں مٹ پر اکیلے تھے جب کہ مہروِنسا کچھ پل پہلے ہی واش روم ہاتھ دھونے کے لیے اٹھی تھی" بابا نہیں مانیں گے "حمد کا لہجہ افسوس والا تھا" میں منوں گا" حمد جانتا تھا وہ شاہمیر سے نہیں لڑ سکتا، اس نے ہتھیار ڈال دیا" ٹھیک ہے "حمد نے مسکراتے ہوئے کہا وہ جانتا تھا اس کا باپ اسے شاہمیر کے بغیر بھی اجازت دے دے گا۔

****

اب دونوں گاڑی میں بیٹھے تھے، وہ لوگ ریسٹورنٹ سے نکل چکے تھے، شاہمیر نے مہروِنسا کو حماد کا فیصلہ بہت فخر سے سنایا تھا، اب تینوں ایک بار پھر ایک سفر پر نکل پڑے تھے۔ وہ تینوں جانتے تھے کہ اب کا سفر مشکل اور تھکاوٹ سے بھرا تھا مگر وہ تینوں ساتھ تھے، اس سے بڑی بات تینوں کے لیے کچھ نہیں تھی۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی، اے سی سے آتی ٹھنڈی ہوا نے گاڑی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جب خاموشی کا تسلسل شاہمیر نے توڑا تھا

"مہروِنسا"، اس نے پہلی بار ری یونین کے بعد اس کا پورا نام بولا تھا، یہ اشارہ تھا مہروِنسا کے لیے کہ اب جو بھی بات شاہمیر کہے گا، وہ یا تو چھری کی طرح اس کے سینے میں گھسے گی یا اس کے دل کو اپنی طرف اور کھینچیں گی۔ شاہمیر کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ ویل پر مرکوز تھا جبکہ دوسرا گیئر کو اپنی گرفت میں لپیٹے ہوئے تھا۔ شاہمیر کی نظریں ونڈ شیلڈ سے نظر آتی آرکوں پر مرکوز تھیں جب اس نے ایک نظر مہروِنسا کے ہاتھ میں سجی ایک انگوٹھی پر ڈالی۔ مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری اور خوشی کی بہت سی لہریں اس کے اندر سے گزری تھیں "تم نے آج تک یہ انگوٹھی پہن رکھی ہے؟" مہروِنسا کی نظریں اب بھی ونڈ شیلڈ سے باہر تھیں۔ اس نے اپنی ہاتھ کی ایک انگلی کو اس خوبصورت ہرے ہیروں والی انگوٹھی پر پھیرا، اس نے نظریں ہٹا کر اب اس کی انگوٹھی کو دیکھا "کیسے اُتر سکتی تھی میں یہ انگوٹھی؟" ایک بار پھر بھوری آنکھوں کا تعاقب کالے آنکھوں پر جا پڑا۔ "یہ وہ وعدہ تھا جو ہم نے اُس دن کالج کے

آخری دن پر کیا تھا، میں کوشش کے باوجود اسے خود سے جدا نہیں کر سکتی تھی، یہ میرے وجود کا ایک حصہ بن گیا تھا۔" کوئی بھی اس وقت مہرونِسا کو دیکھے تو یہ کبھی نہ مانے کہ وہ 17 سال کی ہیں۔" ایک سال اور انتظار، پھر امی ابو سے بات کروں گی میں" مہرونِسا نے اپنی نظریں نہیں ہٹائیں، ہاں البتہ کالے آنکھیں ونڈ شیلڈ سے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک بار پھر خاموشی نے گاڑی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا جب بائیک پر بیٹھے دو لوگوں نے ان کی گاڑی کو اوورٹیک کیا۔ دور کی لہروں نے مہرونِسا کے اندر سے گزرا مگر بائیک تیز رفتاری سے ان کی آنکھوں کے سامنے سے اجھل ہو گئی، جیسے وہ کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ گاڑی میں خاموشی پھیل گئی، کالے آنکھیں اب بھوری آنکھوں کو ریئر ویو مرر سے دیکھ رہی تھیں جب مہرونِسا کا فون بجنے لگا 'امی کی کال ہے' مہرونِسا کا لہجہ سہما ہوا تھا، وہ جانتی تھی اسے ڈانٹ پڑے گی، مگر اس سے پہلے مہرونِسا فون اُٹھا کر کانوں سے لگا رہی تھی شاہمیر نے یہ کام اس سے پہلے کیا تھا۔ اب فون شاہمیر کے کانوں سے لگا تھا اور دوسری جانب سے نسرین کی آواز آ رہی تھی "السلام علیکم بیٹا" نسرین کا لہجہ بہت خوشگوار تھا" وعلیکم السلام آنٹی" شاہمیر نے بھی اتنی ہی خوشی سے جواب دیا تھا۔ کوئی نہ کوئی نسرین شاہمیر کے دل میں ایک الگ مقام رکھتی تھی، اس نے کبھی بھی ان کو اپنی ماں کا دوست نہیں سمجھا تھا، وہ ہمیشہ سے اس کے لیے ایک ماں کا لقب رکھتی تھی اور ایک باپ کا درجہ نواز کے لیے اس کے دل

میں تھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد شاہمیر نے نسرین سے ان کو اس بار کی تسلی دی تھی کہ ٹریفک کی وجہ سے وہ اور مہرِ ونسا پھنس گئے ہیں اور کچھ ہی دیر میں وہاں موجود ہوں گے۔ مہرِ ونسا پیسنجر سیٹ پر بیٹھی تھی، اس کا ڈرا سہا وجود اب سکون میں ڈھل گیا تھا جیسے کسی نے ٹھنڈک میں اس کو گرمی دی ہو، کال ختم کر کے فون شاہمیر نے مہرِ ونسا کی طرف بڑھایا اور کالے آنکھیں اس کی طرف کاڑی "جب تک میں زندہ ہوں تمہاری حفاظت کروں گا اور ایک جھوٹ پر سو جھوٹ بولوں گا" وعدہ تھا جو وہ کر رہا تھا یا تسلی تھی جو مہرِ ونسا کو وہ دے رہا تھا۔ مہرِ ونسا نے اس کے ہاتھ میں تھاما ہوا فون لے لیا اور ایک سرسری نظر دھر کر واپس سیٹھی ہو گئی "اللہ رحم کرے، ساری زندگی تمہارے ساتھ بیتی ہو گی میں" شاہمیر اس کے جملے پر ہنسا "اب تو سال سے بھی کم وقت ہے" مسکراہٹ دونوں کے چہروں پر آگئی تھی۔ یہ رشتہ بہت پہلے سے دونوں کے درمیان بندھ گیا تھا، ایک دوست سے بڑھ کر یہ رشتہ اب دل کا تھا، نصیب کا تھا، زندگی کا تھا اور دونوں کے لیے یہ سب عشق یا جنون نہیں تھا، اس سے بڑھ کر تھا، ان کو وقت نے جدا کر کے ایک بار پھر ایک کیا تھا اور ان لوگوں کا ماننا تھا جو ایک بار جا کر واپس آتے ہیں، وہ زندگی میں ہمیشہ کے لیے لکھ دیا جاتا ہے۔

****

نواز ہاؤس میں اب بھی وہی بھیانک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ شاہمیر، مہرُو کو گھر چھوڑ چکا تھا، اور وہ دبی قدموں اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہر طرف پھیلا اندھیرا اس کے لیے جیسے سزا بن چکا تھا۔ ہاتھ میں تھاما فون سختی سے پکڑے ہوئے اس نے ٹارچ آن کی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ اچانک، اس نے اپنی پشت کے قریب کسی کی موجودگی محسوس کی۔ ایک سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔ مہرُو کے قدم تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ جیسے جیسے وہ اوپر جا رہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے سیڑھیوں پر چھایا اندھیرا ٹوٹتا اور پھر جڑتا جا رہا ہو۔ "مہرُو..." نیچے سے ایک مردانہ آواز اُبھری۔ وہ اجنبی نہیں تھی۔ مہرُو کے قدم رُک گئے۔ پل بھر کو اس نے گہری سانس لی اور پلٹ کر دیکھا۔ "کامرَن کے بچے!" وہ بے اختیار بولی۔ اس نے دیوار پر لگا بٹن دبایا، اور پورے ہال میں روشنی پھیل گئی۔ اندھیرا جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اب کامرَن کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ "کہاں گئی تھی تم؟" یہ سوال مہرُو کو کبھی برا نہ لگتا، اگر پوچھنے والا کوئی بڑا ہوتا۔ وہ ہمیشہ ایک خود مختار عورت رہی تھی، اور اس کے اصول یہی تھے کہ جو بات بڑوں کو بتانے کے قابل ہو، وہی بتائی جائے۔ اس کے چہرے پر ایک سخت تاثر اُبھرا۔ "تم سے مطلب؟" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی دخل اندازی سے چڑھ رہی تھی، اور کامرَن تو ہمیشہ اس کے معاملات میں بولتا آیا تھا۔ کہیں نہ کہیں، مہرُو کے دل میں یہ خیال بھی آتا تھا کہ اس کی محبت کا فائدہ اس کے

بہن بھائیوں نے ہمیشہ غلط اٹھایا ہے، اور خود کو اس پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ کامرَن مہرُو کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو پڑھ چکا تھا۔ اس نے قدرے نرم لہجے میں الفاظ چنتے ہوئے دوبارہ پوچھا، "تم شاہمیر بھائی کے ساتھ تھی؟" مہرُو کے چہرے پر اب بھی وہی سخت تاثُرات برقرار تھے۔ کامرَن کو زیادہ وقت نہیں لگا یہ سمجھنے میں کہ اس کا سوال مہرُو کو ناغوار گزرا ہے۔ "کامرَن، میں جہاں جاؤں، جس کے ساتھ جاؤں، یہ تمہارے لیے معنی نہیں رکھتا۔ میں اپنی زندگی جینے کا حق رکھتی ہوں!" کامرَن کچھ لمحوں کے لیے لاجواب ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا سوال مہرُو کو اتنا برا لگے گا۔ "سوری" اس نے نرمی سے کہا، مگر کوئی وضاحت نہ دی۔ شاید وہ کچھ کہنے کا حق ہی نہیں رکھتا تھا، یا شاید یہ صرف اس کا اپنا خیال تھا۔ کامرَن خاموشی سے پلٹ کر سیڑھیوں کی روشنی میں اس کی موجودگی لمحہ بھر کے لیے نمایاں ہوئی، پھر وہ اندھیرے میں گم ہو گیا۔ مہرُو نے بھی پلٹ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ عین اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی، اور ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی۔ چند لمحے پہلے اس کے چہرے پر جو سختی تھی، وہ اب دھوئیں کی طرح تحلیل ہو چکی تھی۔

******

مہرُونِسا کو گھر پر چھوڑ کر، شاہمیر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے نو بج رہے تھے، مگر اسلام آباد کی سڑکوں پر اب بھی بھیڑ تھی۔ گاڑی میں صرف ریڈیو کی ہلکی آواز گونج رہی تھی، لیکن وہ بھی اس کی تنہائی کو کم نہیں کر پا رہی تھی۔ مہرُونِسا کے جانے کے بعد، خاموشی جیسے اس پر حملہ آور ہو گئی تھی۔ وہ اصولاً خاموش طبیعت آدمی تھا، مگر چند دن مہرُونِسا کے ساتھ گزارنے کے بعد، جیسے خاموشی سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اچانک فون بجا۔ شاہمیر نے دل میں شکر ادا کیا جیسے کسی قید سے نجات ملی ہو۔ گاڑی میں لگی اسکرین پر ایک جانا پہچانا نام ابھرا۔ اسے معلوم تھا کہ دوسری طرف احمد کے سوا کوئی نہیں ہو گا۔ اس نے بغیر وقت ضائع کیے فون اٹھایا۔ "بھائی، آپ کہاں ہیں؟" احمد کی آواز میں ہمیشہ کی طرح سکون تھا، وہ سکون جو شاہمیر کو ہمیشہ محسوس ہوتا تھا۔ ایک نرم مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ "بھائی کی جان، بس گھر کے قریب ہوں۔" شاہمیر جانتا تھا کہ گھر پہنچنے میں ابھی بھی آدھا گھنٹہ لگے گا۔ "اچھا، جلدی آئیں، میں نے آپ کو کچھ دکھانا ہے!" احمد نے روانی سے کہا اور فون رکھ دیا۔ فون بند ہو گیا تھا، مگر خاموشی برقرار نہیں رہی تھی۔ شاہمیر بے اختیار مسکرایا۔ "یہ بچہ بھی نہ!" وہ زیرِ لب بولا اور سر ہلا دیا۔ مگر اگلے ہی لمحے ایک خیال آیا، اور اس نے فون اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ اسکرین پر نام واضح ہوتے ہی، وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر فون سائیڈ میں رکھ دیا۔ چند لمحوں بعد کال مل گئی۔ "شاہمیر، اتنی لمبی بات کے بعد بھی دل نہیں

بھرا؟" دوسری طرف سے ایک مانوس مگر شرارت سے بھرپور آواز ابھری، جس میں ایک الگ سا سکون تھا۔ وہ لاکھوں کے ہجوم میں بھی اس آواز کو پہچان سکتا تھا۔ یہ وہی واحد آواز تھی جو اسے کسی خاص اطمینان سے نوازتی تھی۔ "نہیں بھرا، مہرُو بی بی، کیا کریں اب ہم!" شاہمیر نے اسی تنزیہ انداز میں جواب دیا۔ دوسری طرف، مہرُونِسا اپنے بکھرے کمرے کو ترتیب دے رہی تھی۔ فون میز پر رکھا تھا اور کانوں میں ہیڈ فون لگے تھے۔ "کیا ہوا شاہمیر؟" مہرُونِسا نے اس کے تنقیدی انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ "کچھ نہیں یار، گاڑی میں عجیب خاموشی ہو رہی تھی اور ابھی آدھے گھنٹے کا راستہ باقی ہے۔" شاہمیر کے لہجے میں بے زاری تھی۔ پھر اچانک، جیسے کوئی خیال آیا ہو، وہ بولا: "مہرُو، تم زندگی کو کس نظر سے دیکھتی ہو؟" مہرُونِسا جو بستر ٹھیک کر رہی تھی، ٹھٹھک گئی۔ یہ سوال اس کے لیے نیا تھا۔ "میں؟" وہ بے اختیار بولی۔ "ہاں، تم۔" چند لمحوں کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ "شاہمیر، مجھے نہیں معلوم زندگی کیا ہے۔" مہرُونِسا نے ایک ہارے ہوئے شخص کی طرح جواب دیا۔ "زندگی کے بہت سے زاویے ہوتے ہیں، شاہمیر۔ مجھے نہیں معلوم میں کہاں کھڑی ہوں۔ جیسے میری زندگی کسی زوال کی طرف جا رہی ہے... میں اکثر سوچتی ہوں، کیوں؟" وہ رکی، شاہمیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مہرُونِسا کی آواز دوبارہ سنائی دی: "اور مجھے جواب بھی ملا تھا۔" خاموشی پھر لوٹ آئی، مگر اس بار شاہمیر نے محسوس کیا کہ یہ

خاموشی بوجھل تھی، جیسے مہرُ ونِسا کے اندر کوئی درد تھا جو وہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"معلوم ہے، میں اللہ سے بہت دور جا چکی ہوں، شاہمیر۔ خواہش کے باوجود، میں اپنے رب کے قریب نہیں جا پا رہی۔" اس کی آواز میں نمی تھی، اور تھکن بھی۔ وہ بستر پر بیٹھ گئی، جیسے زندگی کا وزن اس کے کندھوں پر بہت بھاری ہو چکا ہو۔ شاہمیر لمحہ بھر خاموش رہا، پھر بولا:

"مہرُو، تم نماز کے بعد دعائیں کرتی ہو؟" مہرُ ونِسا کو یہ سوال غیر متوقع لگا۔ شاید وہ شاہمیر سے ایسے کسی سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ "نہیں، میں نے دعائیں کرنا چھوڑ دی ہیں... میری دعائیں قبول نہیں ہوتی، شاہمیر۔" اس کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے۔ شاہمیر حیران رہ گیا۔ یہ جواب اس کی توقع سے بالکل مختلف تھا۔ وہ گہری سانس لے کر بولا: "مہرُو، دعاؤں کے بغیر نماز ادھوری رہ جاتی ہے۔ ہم دعائیں کرتے ہیں، ہم وہ مانگتے ہیں جو ہمیں بہتر لگتا ہے، کیونکہ ہم اس کے فائدے و نقصان کو نہیں دیکھتے۔ مگر یاد رکھو، اللہ ہمیشہ اپنے بندوں کو وہی عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔" مہرُ ونِسا دم سانسوں میں سنتی جا رہی تھی۔

"جانتی ہو، ہماری دعائیں یا تو فوراً قبول ہوتی ہیں، یا ہماری تقدیر میں لکھ دی جاتی ہیں، اور جو ہم چاہتے ہیں، اس سے بہتر ہمیں عطا کیا جاتا ہے۔" مہرُ ونِسا کے دل کی کیفیت بیان کرنے کے لیے 'سکون' ایک چھوٹا لفظ تھا۔ "اگر دعائیں رد ہوتیں، تو چودہ سو سال پہلے ہمارے نبی ﷺ، ہمارے انبیاء، ہمارے صحابہ دین کی راہ چھوڑ دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔"

شاہمیر کچھ لمحوں کے لیے رکا، جیسے مہرُونِسا کے جواب کا انتظار کر رہا ہو۔ مگر وہ خاموش رہی۔ وہ ان الفاظ کو اپنے اندر اُتار رہی تھی۔ "انہوں نے دعائیں ترک نہیں کیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایک دن اللہ اس کا اجر ضرور دے گا۔ اور وہ مشکلات اور دعاؤں کے بعد فتح یاب ہوئے۔" شاہمیر خاموش ہوا، مگر مہرُونِسا نے کچھ نہیں کہا۔ جیسے وہ ان الفاظ میں کوئی روشنی دیکھ رہی ہو۔ شاہمیر نے خاموشی کا تسلسل توڑا: "تم دعا کیا کرو، تم خود کو اللہ کے قریب پاؤ گی۔" مہرُونِسا نے بے اختیار سر ہلایا، جیسے وہ یقین کر رہی ہو۔ "میں کوشش کروں گی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ شاہمیر مسکرایا: "گڈ! تم دیکھنا، اللہ تمہاری دعائیں رد نہیں کرے گا۔" وہ یقین تھا جو شاہمیر نے اس کے دل میں اُتارا تھا۔ "اچھا، میں فون رکھتا ہوں۔ میں گھر پہنچ گیا ہوں۔ بعد میں بات کرتا ہوں۔ اللہ حافظ۔" "اللہ حافظ۔" مہرُونِسا نے آہستگی سے جواب دیا اور فون رکھ دیا۔ چند لمحے وہ ساکت رہی، پھر اٹھ کر غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔

****

وہ باتھروم میں کھڑی تھی، اپنا وضو کرتے ہوئے، جب اچانک اس کے کانوں میں ایک ہلکی سی آواز گونج گئی: "وضو کرتے وقت وہ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو ہم نے منہ سے کیے ہوتے ہیں۔" مہرِنسا کا دل ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو پیالی کی

شکل میں لیا اور دھیرے سے ٹوٹتے ہوئے بہتے پانی کی طرف لے آئی۔ پانی کی ٹھنڈی لہریں اس کے ہاتھوں کو سکون دے رہی تھیں۔ اس نے پانی منہ میں ڈال کر اپنے منہ کو دھویا، پھر اسے سنک میں ڈال دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہرائی تھی، جیسے ہر پانی کی بونداس کے اندر کے درد کو دھیرے دھیرے دھونا چاہتی تھی۔ پھر اس نے اپنی ناک میں پانی ڈال کر اپنے غموں کو صفا کیا۔ وضو کرتے وقت، ایک اور آواز اس کے ذہن میں گونج گئی: "ہاتھوں پر پانی ڈالنے سے وہ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو ہم ہاتھوں سے کرتے ہیں۔" وہ اپنی زندگی کے اس پل کو محسوس کر رہی تھی، جب اس نے اپنے ہاتھ دھو کر اپنی خود کی غلطیوں کو دھونے کی کوشش کی تھی۔ دھیرے دھیرے، وہ وضو مکمل کر گئی تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک انجانی سی اداسی تھی۔ وہ ایسے محسوس کر رہی تھی، جیسے اپنے اندر چھپائے ہوئے غموں کو پانی سے صاف نہیں کر سکتی تھی۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے کی طرف گئی، لیکن اس کا دل اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ سائیڈ ٹیبل کے پاس جھک کر وہاں سے نماز اور ایک سفید نماز کا دوپٹہ نکالا۔ وہ دوپٹہ ہاتھوں میں تھام کر چینجنگ روم کی طرف چل گئی، جہاں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر، سفید دوپٹے کو اپنے چہرے کے گرد سے لپیٹ لیا۔ اس لمحے میں وہ پوری طرح سے اپنے آپ کو ڈھانپنا چاہتی تھی، جیسے وہ اپنی دنیا سے پوری طرح الگ ہو جائے۔ وہ اپنے چہرے کو پوری طرح سے ڈھانپ کر، اپنے قدم واپس اپنے کمرے کی طرف

بڑھا گئی۔ نماز کو اٹھا کر بے چینی سے اپنی جگہ پر رکھا۔اس کے ہاتھ اب اس کے سینے پر بندھے ہوئے تھے،اور اس کی آنکھیں ہلکی سی نم تھیں۔ دھیرے دھیرے، وہ اپنے گھٹنے کے پاس ہاتھ رکھ کر رکوع میں گئی،اور اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ سے گزارش کر رہی تھی۔ پھر وہ واپس کھڑی ہوئی اور سجدے میں گر گئی۔اس کی آنکھوں سے آنسو رکتے نہیں تھے۔ اس کا دل اتنا بھرا ہوا تھا کہ وہ بس رونا چاہتی تھی، لیکن اس کے آنسو کا ہر ایک قطرہ اپنے آپ کو رکے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس سے بات کرے۔ پانچ منٹ بعد، اس نے نماز پر بیٹھ کر سلام پھیرنا شروع کیا۔ پہلے بائیں طرف، پھر دائیں طرف، جیسے وہ اپنے سارے درد اور غم اللہ کے سامنے پیش کر رہی ہو۔اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور انہیں پیالی کی شکل میں لیا۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے، وہ ہلکی سی آواز میں کہہ رہی تھی، "یا اللہ!" اس کی آواز اپنے اندر کی الجھن کو بیان کرتے ہوئے کانپ گئی۔ "میں اپنی زندگی کے کس موڑ پر کھڑی ہوں؟" اس کی بند آنکھوں سے ایک آنسو گال پر گرا،اور پھر دوسرا، پھر تیسرا، جیسے اس کے دل کا ہر ایک درد اس وقت نکل کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہا ہو۔ "کیا اس دن بھی میری غلطی تھی؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا، لیکن جواب اسے ملنے کے بجائے، وہ اور الجھن میں پھنس گئی۔ اس کا دل بھر آیا،اور وہ اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں چھپا کر زار و زار رونے لگی۔ "یا اللہ! میں اپنے دین میں بھی اچھی نہیں ہوں... کیسے اپنے آپ کو اچھی بیٹی اور

بہن ثابت کروں؟" وہ خود کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اس کا دل بے چین تھا۔ ایسے لگ رہا تھا، جیسے اللہ کے سامنے اپنے ہر غلط فہمی کو پیش کرتے ہوئے، اس نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا ہو۔ "میں شاہمیر سے محبت کرتی ہوں... مگر..." اس کی آواز رک گئی، اور اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ "مگر میرا اسیلیبریٹی کرش میرے دماغ پر حاوی ہے... میں جانتی ہوں، مسلم ہو کر کسی غیر مسلم سے شادی منع ہے... تو میں کیا کروں، اللہ؟" اس کا دل پھر سے الجھن میں اٹکا تھا، لیکن اس دفعہ اس نے اپنے درد کو اللہ کے سامنے رکھ دیا۔ "میں شاہمیر کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں، مگر اُسے دھوکہ نہیں دینا چاہتی!" وہ نماز پر بیٹھی تھی، اور اس کے آنسو رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ لیکن جب اس نے اپنے دل کے بوجھ کو ہلکا محسوس کیا، تو اس نے اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے ہوئے، ایک گہری سانس لی اور کہا، "آمین۔" نماز کو واپس تہہ کرتے ہوئے اس کا چہرہ اب ہلکا سا بے چین تھا، لیکن اس کے اندر ایک سکون تھا۔ وہ سفید دوپٹہ کھولتے ہوئے اپنے دل میں ایک نئی امید محسوس کر رہی تھی۔ جب اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، تو اس نے ایک نئی روشنی کو اپنے اندر محسوس کیا۔

وال کلاک پر نظر ڈالی —— رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ آج وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ اپنے والد سے، نہ والدہ سے، اور نہ ہی کامران، ممنور اور کشاف سے۔ اس نے کمرے کی روشنی بجھا دی۔ اندھیرا ہر طرف چھا گیا، جیسے پرانی غلطیوں اور غموں کا اندھیرا اس کے

آس پاس پھیل گیا ہو۔ بستر پر لیٹ کر اس نے فجر کی نماز کا الارم سیٹ کیا، اور اپنا موبائل تکیے کے نیچے رکھ لیا۔ اپنے اوپر کمبل کھینچتے ہوئے، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آج اس کا دل پہلی بار پوری طرح سے سکون میں تھا، جیسے سالوں کی بے چینی اور غم اس کے ذہن سے اتر چکے ہوں۔ اور اس لمحے، مہر نِسا کے نصیب میں سکون کی نیند لکھ دی گئی تھی۔

****

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

Clubb of Quality Content

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842